دینی شعور اور سماجی آگہی کا نقیب علمی تحقیقی مجلّہ

سہ ماہی شعور و آگہی لاہور

جولائی تا ستمبر 2020ء / ذوالحجہ تا محرم الحرام ۴۲-۱۴۴۱ھ جلد نمبر 12 شمارہ نمبر 3 رجسٹرڈ نمبر S-370

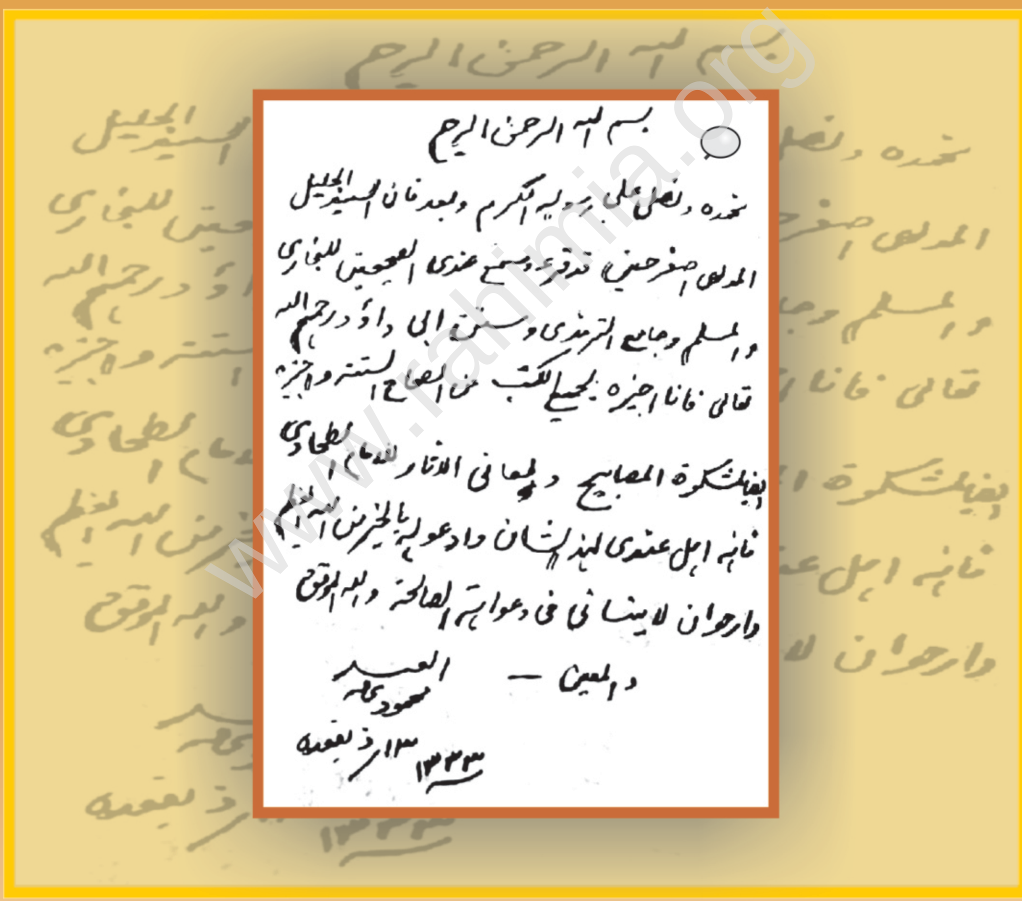

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمده ونصلي على رسوله الكريم وبعد فان السيد الجليل
المدعو صفر حسين قد قرأ وسمع عندي الصحيح للبخاري
والمسلم وجامع الترمذي وسنن ابي داود رحمهم الله
تعالى فانا اجيزه بتحصيل الكتب من الصحاح الستة واجيزه
بمشكوة المصابيح ومعاني الآثار للامام الطحاوي
فانه اهل عندي لهذا الشان وادعو له بالخير من الله
وارجوان لاينساني في دعواته الصالحة وبالله التوفيق
والمعين — العبد محمود عفي عنه
١٣ ذي القعدة ١٣٣٣

www.rahimia.org

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ ٹرسٹ لاہور

اپنے جائز حقوق پامال ہونے سے بچانا' ہمارا شرعی، قومی اور وطنی فرض

''آج:

☆ جب کہ شرق و غرب کے مسلمانوں پر قیامت خیز مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے، جب کہ اندیشہ ہے کہ خلافتِ اسلامیہ کا جہاز اُمنڈتے ہوئے طوفان میں موجوں سے ٹکرا کر خدانخواستہ پاش پاش ہوجائے۔

☆ جب کہ ہر فردِ مسلم کی روح' موت کی دھمکیاں دینے والے حوادث سے لرز رہی ہے،

☆ بلکہ اگر عاقبت بینی سے کام لیا جائے تو ہر ایک ایشیائی اور خصوصاً ہر ایک ہندوستانی اپنی اَخلاقی جرأت اور آزادانہ مستقبل کو سخت خطرے کی نگاہ سے دیکھ رہا ہے۔

علمائے ہند کی تعدادِ کثیر اور ہندو مسلم ماہرینِ سیاست کا بہت بڑا طبقہ اس جدوجہد میں ہے کہ اپنے جائز حقوق اور واجبی مطالبات کو پامال ہونے سے بچائے۔ کام یابی تو ہر وقت خدا کے ہاتھ میں ہے، لیکن جو فرض' شرعی، قومی اور وطنی حیثیت سے کسی شخص پر عائد ہوتا ہے، اس کے ادا کرنے میں ذرّہ برابر تقصیر (کوتاہی) کرنا ایک خطرناک جرم ہے۔

میں اصل فطرت سے کوئی سیاسی آدمی نہیں ہوں اور جیسا کہ میری طویل زندگی شاہد ہے، میرا مطمحِ نظر ہمیشہ مذہب رہا ہے۔ اور یہی وہ مطمحِ نظر ہے، جس نے مجھے ہندوستان سے مالٹا اور مالٹا سے ہندوستان پہنچایا۔ پس میں ایک لمحے کے لیے کسی ایسی مفید تحریک سے اپنے آپ کو علاحدہ نہیں پاتا، جس کا تعلق تمام جماعتِ اسلام کے فوز و فلاح سے ہو، یا وہ دشمنانِ اسلام کے حربوں کے جواب میں حفاظتِ خود اختیاری کے طور پر استعمال کی گئی ہو''۔

(خطاب حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، ص: 12)

www.rahimia.org

دینی شعور اور سماجی آگہی کا نقیب علمی، تحقیقی مجلّہ

سہ ماہی شعور و آگہی لاہور

جولائی تا ستمبر 2020ء / ذوالحجہ تا محرم الحرام ۴۲-۱۴۴۱ھ | جلد نمبر 12 شمارہ نمبر 3 | رجسٹرڈ نمبر S-370

بانی حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری قدس سرہٗ السعید

مجلس ادارت

سرپرست: پروفیسر ڈاکٹر سعید الرحمٰن

مدیرِ اعلیٰ: حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی

مدیر: مولانا محمد عباس شاد

مجلس مشاورت

☆ مفتی محمد اشرف عاطف	لاہور	☆ ڈاکٹر سید لیاقت علی شاہ معصومی	سکھر	☆ پروفیسر ڈاکٹر تاج افسر	اسلام آباد
☆ مفتی عبدالقدیر	چشتیاں	☆ پروفیسر ڈاکٹر محمد ناصر	جھنگ	☆ پروفیسر ڈاکٹر محمد سعید اختر	اسلام آباد
☆ مفتی محمد مختار حسن	نوشہرہ	☆ پروفیسر ڈاکٹر محمد افضل	سعودی عرب	☆ پروفیسر قاضی محمد یوسف	حسن ابدال
☆ مولانا عبداللہ عابد سندھی	شکارپور	☆ پروفیسر ڈاکٹر ابرار محی الدین	بہاولپور	☆ پروفیسر ڈاکٹر محمد جہانگیر	لاہور

قیمت فی شارہ : -/250 روپے

سالانہ زرِتعاون -/1000 روپے

شعبۂ مطبوعات

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ رجسٹرڈ) لاہور

رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور

Ph: 0092-42-36307714 , 36369089 - Web: www.rahimia.org

مدیرِ اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر سہ ماہی مجلّہ "شعور و آگہی"، رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے شائع کیا۔

www.rahimia.org

فہرست مقالات

اداریہ	حرفِ اوّل	مدیرِ اعلیٰ	3
خطباتِ شیخ الہندؒ	حضرت شیخ الہندؒ کے تین نادر اور تاریخی خطبات	خطبات: حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ ترتیب وتخریج وعناوین: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری☆	5
مکتوبات	مکتوبات حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ	ترتیب وتدوین مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری	17
علمی لیکچرز	سوسائٹی کی تشکیل میں تعلیمی اور قانونی نظام کی اہمیت خطاب حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ	اسلامیہ کالج پشاور	75
شخصیات	حضرت شقیق بن ابراہیم بلخیؒ کی تعلیمات	تحریر: ڈاکٹر مولانا محمد مشتاق تجاروی☆	90
شخصیات	حضرت مولانا سیّد منظور احسن دہلویؒ	تحریر: مفتی محمد اشرف عاطف☆	104
شخصیات	حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ ایک شفیق اور مربی استاذ	تحریر: مولانا عبدالرحیم طاہر☆	114

تعارف مقالہ نگار

☆ مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری — ناظمِ اعلیٰ؛ ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور و مسندنشین؛ سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور

☆ مولانا ڈاکٹر محمد مشتاق تجاروی — اسسٹنٹ پروفیسر؛ ڈپارٹمنٹ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، انڈیا

☆ مولانا مفتی محمد اشرف عاطف — سابق مفتی؛ دارالافتا، جامعہ رشیدیہ، ساہیوال، حال مفتی و استاذ؛ ادارہ رحیمیہ، لاہور

☆ مولانا عبدالرحیم طاہر — مہتمم؛ جامعہ تعلیم القرآن، ریلوے مسجد، ہارون آباد

www.rahimia.org

اداریہ

حرفِ اوّل

ایسی شخصیات جنھوں نے قومی اجتماع کے مشکل دور میں رہنمائی کی ہو، پہاڑ جیسے مسائل کے جنگلوں میں شاہراہِ فکر و عمل بنائی ہو، غلامی کے جبر و گھٹن کے دور میں آزادی اور حریت کا آوازۂ حق بلند کیا ہو، وہی لوگ اُس قوم کے سچے رہنما اور روحانی باپ ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ اُن کی روح میں سلگتی ہوئی چنگاری نڈھال اور بے جان غلاموں کی روحوں میں آزادی کی تڑپ پیدا کرتی ہے۔ ایسے رہنما حقیقت میں اُس اجتماع کے لیے ایک منارۂ نور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان رہنماؤں کی کہی ہوئی باتیں گوشِ ہوش سے سننے والی ہوتی ہیں۔ ان کے قلم سے لکھی ہوئی تحریروں کی سطر سطر سونت سونت کر رکھی جاتی ہے۔ اُن کی تحریروں کے لفظ لفظ سے عقل و شعور کی آگہی پھوٹتی ہے۔ اُن کی زندگی انسانی قلوب میں پختہ عزائم اور بلند ارادوں کے جذبات پیدا کرتی ہے۔ اُن کے نفس کی گرمی بے سُدھ پڑے ہوئے مجبور انسانوں میں جبر کے خلاف حرارت پیدا کردیتی ہے۔ اُن کے عقل کی بلندی قومی مسائل کی گھمبیرتا میں آگے بڑھنے کا راستہ سجھاتی ہے۔ ایسے لوگ ہی کسی قوم کے سچے رہنما اور قائدِاعظم ہوتے ہیں۔

آج سے ٹھیک سو سال پہلے 1920ء میں اس دنیا سے رُخصت ہونے والی ایسی ہی ایک عظیم المرتبت شخصیت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ کی ہے، جو حقیقت میں نہ صرف مسلمانوں کے سچے قائد اور رہنما تھے، بلکہ اس خطے میں بسنے والے تمام انسانوں اور غلامی میں جکڑے ہوئے لوگوں کی آزادی اور حریت کے سچے پیغامبر تھے۔ انھوں نے اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر غلامی کے جبر و گھٹن کے ماحول میں آزادی اور حریت کا آوازہ بلند کیا۔ انھوں نے نہ صرف مسلم اُمہ کی رہنمائی کرتے ہوئے قرآن حکیم کا شان دار حکیمانہ انداز و اُسلوب پر ترجمہ کیا، احادیثِ نبویہؐ اور وحیٔ الٰہی کی عظمت اور حقیقت پر عقل و شعور کے تناظر میں عمدگی سے گفتگو کی، فقہ اسلامی کی علمی اور عملی حقیقی فہم پیدا کی اور تربیت و تزکیے کے میدان میں اپنے متعلقین اور متوسلین کی روحوں میں تعلق مع اللہ اور محبتِ رسول ﷺ کی جوت جگائی، بلکہ اسی کے ساتھ ساتھ اس خطے کے انسانوں کے قومی مسائل کے حل کرنے کے لیے غلامی کی سیاہ رات کے خلاف انسانیت کی ترقی کے لیے روشنی بکھیری۔ اُس کے لیے نہ صرف خود عملی طور پر کردار ادا کیا، بلکہ ایک ایسی سچی جماعت تیار کی جس نے آگے چل کر برعظیم پاک و ہند کی آزادیٔ و حریت اور قومی و ملّی مسائل حل کرنے کے لیے ایک عظیم کردار ادا کیا۔ اپنے تلامذہ اور مصاحبین کی اس اعلیٰ پیمانے پر تربیت کی کہ وہ آنے والے دور کے لیے حق کی رہنمائی کا نمونہ اور معیار ٹھہرے۔ اُن کی تربیت یافتہ جماعت نے کل انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے نمونے کا کردار ادا کیا۔

حق تو یہ تھا کہ ایسی عظیم شخصیت اور اتنے بڑے قائد کی زندگی کے جملہ گوشوں پر ہم بعد میں آنے والی نسلیں کام کرتیں۔ ان کے خطبات، تحریرات، مکتوبات، ملفوظات کو سمیٹتیں اور انھیں قومی اور بین الاقوامی اجتماع کی فلاح و بہبود کے لیے اپنے پیشِ نظر رکھتیں۔ اُس کے لیے اکیڈمیاں اور ادارے کام کرتے، تحقیق و تدوین کے ساتھ اُن کے افکار و خیالات کو محفوظ کیا جاتا اور جدید انداز و اُسلوب میں قوم کے سامنے پیش کیا جاتا۔ یہ کام بہت پہلے ہونا چاہیے تھا، تاکہ گزرے سو سالوں (1920ء تا 2020ء)

میں اُن کے فکر و عمل سے رہنمائی لی جاتی، اپنی کمیوں اور کوتاہیوں کا جائزہ لیا جاتا، انھیں دور کرنے کی فکر کی جاتی، لیکن گزرے سو سال کی تاریخ اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ ہم نے بہ حیثیتِ مجموعی اس سلسلے میں کوتاہی کی ہے، جس کا خسارہ ہمیں برداشت کرنا پڑا ہے۔ آج نہ صرف مسلم اُمہ، بلکہ اُن کے درمیان رہنے والی انسانیت اسلام کی سچی تعبیر اور حقانی تفہیم سے بہت دور ہو رہی ہے۔ فرقوں کے اُلجھاؤ میں پڑے ہوئے لوگ اور تشدد و انتہا پسندی میں مبتلا جماعتیں اس خطے کو آزادی کے بعد بھی غلامی کے جلائے ہوئے الاؤ کا ایندھن بنا رہی ہیں۔ برداشت، رواداری کے ساتھ قومی مسائل حل کرنے کی سوچ عنقا ہوگئی۔ انتہا پسندی کا خاتمہ اور عدمِ تشدد کی سوچ طاقِ نسیان رکھ دی گئی ہے۔ منفی جذبات کے جھکڑ اس خطے کے انسانوں کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہیں اور اس خطے کے سچے رہنماؤں اور حقیقی قائدین کے افکار و خیالات اور ان کی جدوجہد اور کوششیں دُھندلا کر رہ گئی ہیں۔ ایسے موقع پر بڑی ضرورت ہے کہ ہم اپنا قومی اور انسانی تقاضا سمجھیں۔ ملّی اور دینی فریضہ سرانجام دینے کے لیے اپنے تئیں پوری جدوجہد اور کوشش کریں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ پاکستان کے اس قومی اور ملّی اجتماع میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی شخصیت کا حقیقی تعارف کرانے کے لیے ہمارے مرشد اور رہنما حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ انھوں نے حضرت شیخ الہندؒ جیسے اس خطے کے حریت پسند رہنماؤں کے افکار و کردار کے تعارف کے لیے مسلسل باسٹھ سال (1950ء تا 2012ء) اپنا خون پسینہ ایک کیا ہے۔ اُن کے وجود میں گویا حضرت شیخ الہندؒ کی روح سرایت کی ہوئی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ 2009ء میں حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ خانقاہِ رائے پور کے اپنے سفر کے دوران جب دیوبند میں حضرت شیخ الہندؒ کے مرکز دارالعلوم دیوبند، حضرت شیخ الہندؒ کے رہائشی مکان اور اُن کے مزارِ اقدس پر تشریف لے گئے تو دیوبند کی گلیوں میں چلتے پھرتے ہر جگہ صاف محسوس ہوتا تھا کہ حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کی روح حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ کے وجودِ گرامی پر سایہ فگن ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے مکان پر جب حضرت اقدس رائے پوریؒ کی تشریف بری ہوئی اور اہلِ خانہ نے حضرت شیخ الہندؒ کی تلوار، ٹوپی اور دیگر تبرکات کی زیارت کرائی تو حضرت شیخ الہندؒ کی ٹوپی پہن کر، تلوار ہاتھ میں پکڑ کر ایسے جذبات اور کیفیات حضرت اقدس رائے پوریؒ کے چہرۂ انور سے ظاہر ہو رہی تھیں، جو حضرت شیخ الہندؒ کے سچے حریت پسند کردار کی آئینہ دار تھی۔

''شعور و آگہی'' کا آغاز حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ نے 2009ء میں کیا تھا، جس کا بنیادی ہدف اور اصل مقصد اس خطے کے حریت پسند رہنماؤں، ولی اللّٰہی سلسلے کے علمائے ربانیین کے افکار و خیالات سے نوجوان نسل کو متعارف کرانا تھا۔ ''شعور و آگہی'' کے اس بارہ سالہ سفر کے گزشتہ شمارے اس حقیقت کی نشان دہی کرتے ہیں کہ ہم نے انھیں اکابرین بالخصوص حضرت شیخ الہندؒ کے خطبات و مقالات تحقیق و تدوین کے ساتھ شائع کیے ہیں۔ اس شمارے میں بھی حضرت شیخ الہندؒ کے تین نادر خطبات اور مکتوبات پیش کیے جا رہے ہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ کی تحریریں فکر و شعور کی نئی جوت جگاتی اور زندگی بسر کرنے کی سچی رہنمائی دیتی ہیں۔

اس شمارے کے دیگر مقالات اسی سلسلے کی عظیم شخصیات اور سچے رہنماؤں کے حالات و افکار اور تعلیمات سے متعلق ہیں۔ صوفیا کے سرخیل حضرت شقیق بلخی قدس سرہٗ، مشائخ رائے پور کے مجازین؛ حضرت مولانا سیّد منظور احسن دہلویؒ اور حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہیدؒ پر مقالات ہیں۔ امید ہے ان سچے رہنماؤں کی تحریرات اور سوانحات نوجوان نسل کے لیے مشعلِ راہ ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان رہنماؤں سے حاصل ہونے والی ہدایت پر قائم رکھے۔ آمین!

(مدیرِ اعلیٰ)

www.rahimia.org

خطباتِ شیخ الهندؒ

حضرت شیخ الہندؒ
کے تین نادر اور تاریخی خطبات

خطبات: حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ
ترتیب وتخریج وعناوین: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

(حرفِ تعارف)

(حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ اپنے رُفقا کے ہمراہ تقریباً ساڑھے تین سال کی مالٹا میں قید کے بعد ہندوستان واپس تشریف لائے۔ بمبئی کے ساحل پر 8/جون 1920ء کو پہنچے اور پھر بمبئی سے دہلی اور میرٹھ سے ہوتے ہوئے 13/جون 1920ء کو دیوبند پہنچے۔ اُس زمانے میں ہندوستان میں ''تحریکِ ترکِ موالات'' اور تحریکِ خلافت'' عروج پر تھی۔ بمبئی سے لے کر دیوبند تک حضرتؒ کی خدمت میں استقبالیہ اجلاسات اور سپاس نامے پیش کیے گئے۔ اس موقع پر حضرت اقدس شیخ الہند قدس سرہٗ نے مختلف مقامات پر خطبات اور پیغامات ارشاد فرمائے۔

حضرت شیخ الہندؒ کے تین مختصر اور اہم خطبات اس وقت ہمیں دستیاب ہوئے ہیں۔ ان خطبات میں حضرت شیخ الہندؒ نے بہت اہم اور بنیادی نکات پر گفتگو کی ہے۔ استقبالیہ اجلاسات میں ان خطبات کی اپنی تاریخی اہمیت ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کی مالٹا سے رہائی اور روانگی سے لے کر بمبئی، دہلی، میرٹھ اور دیوبند آمد تک کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ ''نقشِ حیات'' میں لکھتے ہیں:

(مالٹا سے روانگی اور ترکی افسران کا دعائیہ اجتماع)

''۲۲/ جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ (12/ مارچ 1920ء) کو تقریباً ۳ برس دو مہینے مالٹا میں رہ کر ہم مالٹا سے روانہ ہوئے۔ روانگی کے وقت رُخصت کرنے کے لیے تمام ترکی آفیسر (جو کہ اس وقت تک رہا نہیں ہوئے) صدرِ اعظم ترکی سے لے کر نیچے کے عہدوں تک سب کے سب خود جمع ہوگئے، اور بہت زیادہ محبت اور شفقت کا اظہار فرماتے رہے۔ شیخ الاسلام خیرالدین آفندی نے خاص طور سے ہاتھ اٹھا کر آواز سے دعا مانگنی شروع کی اور تمام آفیسروں نے ان کی موافقت کی۔ آمین آمین کی آواز سے فضا گونج رہی تھی۔ پھر سب نے نہایت تپاک سے آبدیدہ ہوکر رُخصت کیا۔

یہ مجمع اور سماں نہایت عجیب وغریب تھا۔ بہت سے دنیاوی وجاہت اور دولت والے مالٹا سے اس سے پہلے روانہ ہوئے، مگر ایسا بڑا مجمع اور اتنے بڑے رُتبے والوں کا اجتماع اور اتنی محبت اور اخلاص کا مظاہرہ اور اس ہیئتِ دُعائیہ اور آمین کا اظہار کسی کے لیے نہیں ہوا تھا۔ انگریزی آفیسر بہت سے وہاں موجود تھے۔ اس حالت کو دیکھ کر نہایت تعجب کرتے تھے، مگر یہ عزتِ حقانی تھی، جس میں نفسانیت کا کوئی شائبہ نہ تھا۔ وہ شخص جس نے قول وعمل میں کبھی اپنی بڑائی کا مظاہرہ نہ کیا ہو، جس کو اہلِ دولت اور اصحابِ مناصب کے اختلاط سے وحشت ہو، جس کو تکلفِ صوری اور طلبِ وجاہتِ دنیاوی سے نفرت ہو، جس کی چال ڈھال، بیٹھنا، اُٹھنا، رفتار وگفتار وغیرہ سب سے مسکنت اور تواضع ٹپکتی ہو، اس کی یہ عزت اور تمکنت، خلقِ خداوندی میں عام قبولیت، اس کے انتہائی تقویٰ اور للّٰہیت اور بارگاہِ خداوندی میں بلند پایگی کا اثر نہ تھا تو کس چیز کا تھا۔ ؎

قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں [1]

؎

ایں سعادت بزور بازو نیست
گر نہ بخشد خدائے بخشندہ
(یہ سعادت بزورِ بازو حاصل نہیں ہوتی
جب تک کہ بخشنے والا خدا عطا نہ فرمائے)

رحمه الله تعالیٰ و أرضاه، و أمدّنا بإمداده فی الدّنیا و الآخرة، آمین.

(اللہ تعالیٰ اُن (حضرت شیخ الہندؒ) پر رحم فرمائے اور اُن سے راضی ہوجائے۔ اور ہمیں دنیا وآخرت میں اُن کی مدد پہنچائے۔ آمین)

(مصر اور سویس کے کیمپوں میں قیام اور عدن آمد)

۲۵ / جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ مطابق ۵ / مارچ ۱۹۲۰ء آگبوٹ اسکندریہ (مصر) پہنچا، اور ۲۶ جمادی الثانی ''سیّدی بشر'' میں — جو کہ قرار گاہ اُسرائے مصر میں (سے) تھا — داخل کردیے گئے۔ تقریباً اٹھارہ روز وہاں قیام کرنے کے بعد ۱۳ / رجب ۱۳۳۸ھ مطابق ۲ / اپریل ۱۹۲۰ء کو وہاں سے سویس (سویز) کو روانہ کیے گئے۔ سویس (سویز) میں بھی ہم سنگینوں کے پہرے میں اسیروں کے کیمپ میں مثل ''سیدی بشر'' داخل کیے گئے۔ یہاں پونے دو مہینہ کیمپ میں رہنا پڑا۔

۵ / رمضان ۱۳۳۸ھ مطابق ۲۲ مئی ۱۹۲۰ء اتوار کے دن آگبوٹ پر پہنچایا گیا۔ ۱۲ / رمضان ۱۳۳۸ھ کو جہاز عدن (یمن) پہنچا۔ چوں کہ عدن میں جہاز ایک دن ٹھہرا تھا تو ہم کنارہ پر گئے اور تین تار ہندوستان کو — ایک حضرت حکیم محمد حسن صاحب (برادر حضرت شیخ الہندؒ) کو دیوبند میں، دوسرا

ڈاکٹر (مختار احمد) انصاری کو دہلی میں، تیسرا حکیم اجمیری کو بمبئی میں — ہم نے دے دیا، جس سے تمام احباب کو اطلاع ہوگئی۔ تار کے الفاظ حسبِ ذیل تھے: ''ہم لوگ ۸/ جون تک بمبئی پہنچیں گے''۔

(بمبئی پہنچ کر حضرت شیخ الہندؒ کی رہائی)

مختصر یہ کہ ۲۰/ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ / ۸/ جون ۱۹۲۰ء کو ۳ برس ۷ مہینے کے بعد بمبئی پہنچا کر ہم کو رہا کیا گیا۔ بمبئی پہنچنے پر سب سے پہلے سی آئی ڈی کا افسر انگریز مع دو تین ہندوستانی افسروں کے آیا اور حضرت شیخ الہندؒ سے کہا کہ: ''میں تنہائی میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں''۔ حضرت اس کے ساتھ کمرے میں چلے گئے۔ اس نے کہا: ''مولوی رحیم بخش صاحب (پریزیڈنٹ ریاست بہاولپور) یہاں آئے ہوئے ہیں۔ آپ بغیر ان کے ملے ہوئے ہرگز جہاز سے نہ اُتریں''۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

ہم کو جہاز پر ہی یہ معلوم ہوگیا تھا کہ اب ہم بالکل آزاد ہیں۔ ہم نے مولوی رحیم بخش صاحب کا بہت انتظار کیا۔ جب وہ پہنچے تو مَیں اور مولانا عزیر گل صاحب اسباب (سامانِ سفر) لے کر کنارے پر چلے گئے۔ بعد کو مولوی رحیم بخش صاحب آئے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی اور کہا کہ: ''آپ کے لیے اسپیشل ڈبہ ریل میں مَیں ریزرو کرا دوں گا۔ آپ ابھی اتریں اور ریل پر چلے چلیں''۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ: ''آپ کا انتظار کر کے حسین احمد اور مولوی عزیر گل کنارے پر چلے گئے ہیں، وہ آجائیں گے تو روانگی ہو سکے گی''۔ چوں کہ ہمارے کنارے پہنچنے پر زور کی بارش ہوگئی اور دریا میں طوفان آگیا۔ جہاز دریا میں کنارے سے دور لنگر انداز ہوا تھا، اس لیے اس روز کوئی ہوڑی (چھوٹی کشتی) حضرت شیخ الہندؒ کو جہاز سے لانے کے لیے نہ مل سکی۔

(بمبئی کے ساحل پر خلافت کمیٹی کی طرف سے زوردار استقبال)

اگلے روز ۲۱/ رمضان (۱۳۳۸ھ / ۹/ جون ۱۹۲۰ء) کو حضرت (شیخ الہندؒ جہاز سے) اُتر سکے۔ مولوی رحیم بخش صاحب گورنمنٹ کے بھیجے ہوئے آئے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ حضرت شیخ الہندؒ ''تحریکِ خلافت'' میں شریک نہ ہوں اور بالا بالا ریل پر سوار ہو کر دیوبند چلے جائیں۔ سیاسیات سے بالکل کنارہ کش ہو جائیں۔ اسی لیے وہ اگلے دن اُتارنے کے لیے اسٹیمر پر پہنچے، مگر جب لانچ کنارے پر پہنچی تو مولانا شوکت علی مرحوم اور ہزاروں اشخاص ممبران خلافت کمیٹی نے زوردار استقبال کیا۔ نعرہ ہائے تکبیر سے فضا کو گونجا دیا، اور حضرتؒ کو چاروں طرف سے گھیر لیا، اور کار میں سوار کر کے اپنے قیام گاہ پر — جس کو پہلے سے تجویز کر چکے تھے — لے گئے۔ مولوی رحیم بخش صاحب ہجوم کی شدت کی وجہ سے حضرتؒ کے پاس بھی نہیں پہنچ سکے۔ چوں کہ خلافت کی تحریک اور اس کے جملہ کارکن حضرتؒ کے مذاقِ آزادئ ہند اور انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے ہم نوا تھے، اس لیے بالطبع ان سے رَل مِل گئے۔ مولوی رحیم بخش صاحب مرحوم کا کوئی اثر قبول نہیں کیا۔

www.rahimia.org

(خلافت کمیٹی کی طرف سے جلسۂ عام اور اہلِ شہر کا سپاس نامہ)

مسلمانانِ بمبئی کی طرف سے خلافت کمیٹی کے زیرِ انتظام کھتری مسجد میں جلسۂ عام کیا گیا۔ اس جلسے میں خلافت کمیٹی اور اہلِ شہر کی طرف سے حضرتؒ کی خدمت میں ''ایڈریس'' (سپاس نامہ) پیش کیا گیا۔ ان حضرات کی فہرست، جنھوں نے دور دراز سے بمبئی پہنچ کر پورٹ پر حضرتؒ کا استقبال کیا، بہت طویل ہے۔ خاص خاص اسمائے گرامی یہ ہیں:

(1) حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند مع صاحبزادگان (حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ اور مولانا محمد طاہر قاسمیؒ)

(2) مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری

(3) حکیم محمد حسن صاحب (برادرِ خورد حضرت شیخ الہندؒ)

(4) مولانا محمد حنیف صاحب (خواہر زادہ، و داماد حضرت شیخ الہندؒ)

(5) حکیم عبدالرزاق صاحب غازی پوری برادرِ کلاں ڈاکٹر (مختار احمد) انصاری

(6) نواب محی الدین خاں صاحب مراد آبادی، قاضیٔ بھوپال

(7) مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب مہتمم و صدر مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

(8) ڈاکٹر مختار احمد صاحب عرف ڈاکٹر انصاری

(9) حاجی احمد مرزا صاحب فوٹو گرافر دہلی

(10) بمبئی کے دو روزہ قیام میں حضرت مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلّی مرحوم بھی قیام گاہ پر تشریف لائے اور تنہائی میں سیاساتِ حاضرہ پر بہت دیر تک گفتگو فرماتے رہے۔

(11) اسی اثنا میں مہاتما گاندھی بھی تشریف لائے اور حضرتؒ سے گفتگو کی۔

بمبئی میں دو روز قیام فرما کر ۲۳ر اور ۲۴ر رمضان المبارک کی درمیانی شب میں ''ایکسپریس (ریل)'' سے دہلی روانہ ہوئے اور ۲۵ر رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ / ۱۳ر جون ۱۹۲۰ء کو صبح کو دہلی پہنچے۔ ڈاکٹر مختار احمد صاحب انصاری مرحوم کی کوٹھی پر قیام فرمایا۔ شب کے آخر حصے میں دہلی سے روانہ ہو کر ۲۶ر رمضان المبارک (۱۴ر جون) کی صبح کو ۹ بجے دیوبند پہنچ گئے۔ **فللّٰہ الحمد و المنّۃ**''۔

(حضرت شیخ الہندؒ کی گرفتاری کے زمانے میں مدعیانِ اخلاص کی حالت)

ایک وہ زمانہ تھا کہ نہ صرف اجانب بلکہ تلامذہ، مریدین اور عزیز و اقارب کو یقین تھا کہ حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے رفقا کو پھانسی دی جائے گی۔ ورنہ کم از کم حبسِ دوام اور عبور دریائے شور کی سزا پائیں گے۔ اس لیے مریدوں اور شاگردوں تک نے نہ صرف تعلقِ اِرادت اور شاگردی سے انکار کر دیا تھا، بلکہ تعارُف سے بھی منکر ہو گئے تھے۔ خاص خاص لوگ نہ صرف مکان پر آتے ہوئے گھبراتے تھے،

بلکہ اس محلے اور کوچے میں بھی نہیں گزرتے تھے، جہاں حضرت کا دولت خانہ تھا۔ اور حضرتؒ کے لیے تحقیر و ملامت کے الفاظ استعمال کرتے تھے۔ بعض مدعیانِ اخلاص تو جان و عزت کے خطرے سے انگریزوں کے سی آئی ڈی اور مخبر بن گئے تھے۔

(مالٹا سے واپسی پر حضرت شیخ الہندؒ کا ہر مقام پر والہانہ استقبال)

اب یہ زمانہ بھی ان کے سامنے آ گیا کہ ہندوستان اور بیرونِ ہند جہاں بھی حضرت شیخ الہندؒ پہنچتے، لوگ سروں پر بٹھاتے۔ ہرایک اسٹیشن پر عقیدت مند مخلصین کا ہجوم پروانوں کی طرح ٹوٹا پڑتا تھا۔ حضرت شیخ الہندؒ تک پہنچنا اور آپؒ سے مصافحہ کرنا جوئے شیر سے کم دُشوار نہ تھا۔

دہلی، غازی آباد، میرٹھ شہر، میرٹھ چھاؤنی، مظفرنگر، دیوبند وغیرہ میں یہ حالت تھی کہ باہر لے جانے یا عوام کو (حضرت شیخ الہندؒ کی) زیارت کرانے کے لیے لوگوں کو (اُنھیں) سروں پر اُٹھانا پڑا۔ لوگ اس مقبولیت کو دیکھتے تھے اور انگشت بہ دنداں تھے کہ کیا سے کیا ہوگیا۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (2)

(یہ بڑائی اللہ کی ہے۔ دیتا ہے جس کو چاہے)

تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (3)

(اور عزت دیوے جس کو چاہے اور ذلیل کرے جس کو چاہے۔ تیرے ہاتھ ہے سب خوبی۔ بے شک تُو ہر چیز پر قادر ہے)۔'' (4)

حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ نے بمبئی سے دیوبند تک کے سفر میں تین اہم اور مختصر خطبات ارشاد فرمائے تھے:

1۔ پہلا خطبہ: بمبئی کے ساحل پر اُترتے ہی سب سے پہلا خطبہ 9/ جون 1920ء کو خلافت کمیٹی کے زیرِانتظام کھتری مسجد کے جلسہ عام میں ارشاد فرمایا۔ اس خطبے کو مولانا شوکت علیؒ نے فوراً ہی قلم بند کرلیا تھا اور ''مدینہ'' اخبار بجنور کو اشاعت کے لیے بھیجا تھا۔ ''مدینہ'' اخبار میں یہ تاریخی خطاب 5/ اگست 1920ء کو طبع ہوا۔ (5) بعد میں خلافت کمیٹی کے کارکنوں نے تحریکِ خلافت سے متعلق حضرتؒ سے استفتا کیا تو حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے خطاب کے انھی نکات کو مرتب کر کے دستخط تحریر فرمائے: ''العبد محمود حسن عفی عنہٗ دیوبندی، ۳/ ذی قعد ۱۳۳۸ھ (19/ جولائی 1920ء)''۔

پھر یہی فتویٰ جمعیت علمائے ہند کے متفقہ فتوے کی صورت میں تقریباً پانچ سو علما کے دستخط سے شائع کیا گیا۔ (6)

2۔ دوسرا خطبہ: 13/ جون 1920ء کی صبح کو میرٹھ کے اسٹیشن پر حضرت شیخ الہندؒ کی رہائی اور وطن مراجعت پر مسرت کے اظہار میں میرٹھ کے مسلمانوں نے ایک طبع شدہ سپاس نامہ حضرتؒ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ اس کے جواب میں حضرتؒ نے یہ خطبہ تحریری طور پر لکھوایا تھا، جسے حضرت مدنیؒ نے مجمع عام میں پڑھ کر سنایا۔

حضرت مولانا سیّد اصغر حسین ''حیاتِ شیخ الہند'' میں لکھتے ہیں:

''مسلمانانِ میرٹھ نے اسٹیشن پر حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں ایک سپاس نامہ پیش کیا۔ ایک شخص نے گاڑی کے

www.rahima.org

اندر کھڑے ہو کر حضرت شیخ الہندؒ کے سامنے پڑھا اور اُسی وقت سپاس نامے کی مطبوعہ کاپیاں تقسیم ہوئیں۔
اس سپاس نامے میں حضرت شیخ الہندؒ کی آزادی اور رہائی پر خدائے بزرگ و برتر کا شکریہ ادا کیا گیا تھا اور حضرتؒ کی جدائی میں اہلِ اسلام کے اِضطراب و بے قراری اور اُن کی سعی کا اِظہار تھا اور گورنمنٹ کی بے انصافی کا شکوہ۔ حضرتؒ کی صداقت و راست بازی، عزم و استقلال وللّٰہیت کی توصیف کی گئی تھی اور آپؒ کی تکالیف کا اظہارِ ہمدردی اور موجودہ زمانے کے اسلامی حوادث و مصائب اور مسئلۂ خلافت میں دشمنوں کے ارادوں کی صراحت اور احکامِ مذہبی کی رہنمائی میں حضرت شیخ الہندؒ سے استعانت اور مدد کی درخواست کی گئی تھی۔
حضرت شیخ الہندؒ کی طرف سے حضرتؒ کے رفیق حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ نے گاڑی کے دروازے پر کھڑے ہو کر پلیٹ فارم پر موجود مسلمانوں کی طرف خطاب کر کے لکھا ہوا (سپاس نامے کا) جواب پُر رُعب لہجے میں سنایا، جس میں خدا تعالیٰ کا شکر، اہلِ اسلام کی ہمدردی کا شکریہ، مصائب و تکالیف کا منجانب اللہ ہونا اور گزشتہ مصائب کا ذکر غیر مفید ہونا اہلِ اسلام کی تکالیف و مصائب کی واقعیت اور اپنی طرف سے اظہارِ حق اور عند الضرورہ تعلیم و رہنمائی کی مستعدی وغیرہ بیان کی گئی تھی''۔ (7)

3۔ تیسرا خطبہ: 6/ستمبر 1920ء کو کلکتہ میں منعقدہ جمعیت علمائے ہند کے خصوصی اجلاس کے لیے حضرت شیخ الہندؒ کا اہم تحریری پیغام ہے۔ جمعیت علمائے ہند کا ایک خصوصی اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا، جس میں شرکت کے لیے حضرت شیخ الہندؒ سے درخواست کی گئی، لیکن حضرت شیخ الہندؒ نے اپنی کمزوری کی بنا پر شرکت کرنے سے معذرت فرمائی۔ البتہ اس خصوصی اجلاس کے لیے حضرت شیخ الہندؒ نے ایک بیان لکھ کر مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری کے ذریعے بھیج دیا تھا، جسے اس اجلاس میں پڑھ کر سنایا گیا۔
اس اجلاس کی صدارت سندھ کے نام ور بزرگ حضرت مولانا ابوالحسن تاج محمود امروٹی نور اللہ مرقدہٗ نے فرمائی تھی۔
اس اجلاس میں پورے ہندوستان سے بہت بڑی تعداد میں علمائے کرام نے شرکت کی تھی۔ اس اجلاس کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں صرف ایک تجویز ''ترکِ موالات کی ضرورت اور اہمیت'' کے بارے میں پیش کی اور پاس ہوئی تھی۔ اس کے محرک حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ اور اس کے مؤیدین: مولانا مظہرالدین، مولانا عبدالصمد بدایونی اور مولانا محمد عبدالقیوم عرف نور احمد صاحب تھے۔ منظور شدہ تجویز کے الفاظ درجِ ذیل ہیں:
''جمعیت علمائے ہند کا یہ اجلاس اعلان کرتا ہے کہ چوں کہ ترکی کے ساتھ صلح کرنے میں دُوَلِ یورپ نے صریح طور پر ناانصافی کی ہے، اور اسلامی جذبات کو پامال کیا ہے، اور وزرائے برطانیہ نے اپنے صاف وصریح وعدوں کی اعلانیہ خلاف ورزی کی ہے، اور خلافت کے اقتدار کو زائل کرنے اور خلیفۃُ المسلمین کی مذہبی طاقت کی بیخ کنی کرنے پر اسلام کے ساتھ صریح طور پر مذہبی تعصب کا ثبوت دیا ہے، اس لیے مسلمانوں پر بہ حیثیت متبع اسلام ہونے کے لازم ہو گیا ہے کہ وہ ان اعدائے اسلام سے ترکِ موالات کریں''۔
یہ تجویز اور حضرت شیخ الہندؒ کا پیغام اخبار ''مدینہ'' بجنور کی 17/ستمبر 1920ء کی اشاعت میں شائع ہوا''۔ (8)
اس سے پہلے حضرت شیخ الہندؒ کے دو اہم خطبات ہم ''شعور و آ گہی'' کے صفحات پر شائع کر چکے ہیں۔

1۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے تاسیسی اجلاس منعقدہ 29/اکتوبر 1920ء کو آپؒ نے خطبہ صدارت ارشاد فرمایا تھا، جسے ''شعور و آگہی'' کی جلد 11، شمارہ 1 (جنوری تا مارچ 2019ء) میں شائع کیا جاچکا ہے۔

2۔ خطبہ صدارت جمعیت علمائے ہند کے دوسرے اجلاس منعقدہ ۷،۸،۹/ربیع الاوّل/19، 20، 21/نومبر 1920ء کو دہلی میں حضرتؒ نے ارشاد فرمایا۔ یہ خطبہ بھی ''شعور و آگہی'' کی جلد 11، شمارہ 3 (جولائی تا ستمبر 2019ء) میں شائع کیا جاچکا ہے۔

اس طرح حضرت شیخ الہندؒ کی 9/جون 1920ء کو مالٹا سے بمبئی تشریف آوری سے لے کر حضرتؒ کے وصال 30/نومبر 1920ء تک کل پانچ خطبات ہمیں دستیاب ہوئے ہیں۔ ان میں سے دو خطبات پہلے شائع کیے جاچکے ہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ کے مذکورہ بالا یہ تین خطبات اور بیانات ذیل میں قارئین ''شعور و آگہی'' کے لیے علی الترتیب شائع کیے جا رہے ہیں۔ ان خطبات میں حضرت شیخ الہندؒ کے یہ جملے بہت اہمیت کے حامل ہیں:

1۔ ''اگر عاقبت بینی سے کام لیا جائے تو ہر ایک ایشیائی اور خصوصاً ہر ایک ہندوستانی اپنی اَخلاقی جرأت اور آزادانہ مستقبل کو سخت خطرے کی نگاہ سے دیکھ رہا ہے''۔

2۔ ''حضرات! یہ امر معلوم ہو کہ خدمت اسلام جو ہر مسلمان پر اس کے مرتبے کے موافق فرض ہے، اس سے کسی قسم کا انحراف مسلمان کی شان سے بعید ہے''۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت شیخ الہندؒ کے خطبات اور تحریرات سے مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ مدیرِ اعلیٰ)

www.rahimia.org

پہلا خطبہ

مجلسِ خلافتِ ہند کے زیرِ اہتمام منعقدہ جلسۂ عام میں

مؤرخہ: 9/جون 1920ء، بمقام: کھتری مسجد بمبئی

نحمدہٗ و نصلّی علٰی رسوله الکریم ! قال اللّٰه تعالیٰ:

''1۔ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ [9]

آپس میں جھگڑا نہ کرو، ورنہ بزدل ہوجاؤ گے، اور تمھاری ہوا اُکھڑ جائے گی، اور صبر کرو، اللہ صابرین کے ساتھ ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

2۔ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ [10]

نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کرو، بدی اور گناہ میں اعانت نہ کرو۔

3۔ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ [11]

جس نے ان سے دوستی اور محبت باقی رکھی، وہ شخص بھی ان ہی میں شمار ہوگا۔ اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔

گر پڑے ہے آگ میں پروانہ سا کِرمِ ضعیف
آدمی سے کیا نہ ہو، لیکن محبت ہو تو ہو (12)

(مسلمانوں پر قیامت خیز مصائب کا پہاڑ)

امابعد! آج جب کہ شرق و غرب کے مسلمانوں پر قیامت خیز مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے، جب کہ اندیشہ ہے کہ خلافتِ اسلامیہ کا جہاز اُمنڈتے ہوئے طوفان میں موجوں سے ٹکرا کر خدانخواستہ پاش پاش ہوجائے۔ جب کہ ہر فردِ مسلم کی روح' موت کی دھمکیاں دینے والے حوادث سے لرز رہی ہے، بلکہ اگر عاقبت بینی سے کام لیا جائے تو ہر ایک ایشیائی اور خصوصاً ہر ایک ہندوستانی اپنی اَخلاقی جرأت اور آزادانہ مستقبل کو سخت خطرے کی نگاہ سے دیکھ رہا ہے۔

(اپنے جائز حقوق پامال ہونے سے بچانا' ہمارا شرعی، قومی اور وطنی فرض)

علمائے ہند کی تعدادِ کثیر اور ہندو مسلم ماہرینِ سیاست کا بہت بڑا طبقہ اس جدوجہد میں ہے کہ اپنے جائز حقوق اور واجبی مطالبات کو پامال ہونے سے بچائے۔ کامیابی تو ہر وقت خدا کے ہاتھ میں ہے، لیکن جو فرض' شرعی، قومی اور وطنی حیثیت سے کسی شخص پر عائد ہوتا ہے، اس کے ادا کرنے میں ذرّہ برابر تقصیر کرنا ایک خطرناک جرم ہے۔

(اس مفید تحریک سے میں اپنے آپ کو علاحدہ نہیں پاتا)

میں اصل فطرت سے کوئی سیاسی آدمی نہیں ہوں اور جیسا کہ میری طویل زندگی شاہد ہے، میرا مطمحِ نظر ہمیشہ مذہب رہا ہے۔ اور یہی وہ مطمحِ نظر ہے، جس نے مجھے ہندوستان سے مالٹا اور مالٹا سے ہندوستان پہنچایا۔ پس میں ایک لمحے کے لیے کسی ایسی مفید تحریک سے اپنے آپ کو علاحدہ نہیں پاتا، جس کا تعلق تمام جماعتِ اسلام کے فوز و فلاح سے ہو، یا وہ دشمنانِ اسلام کے حربوں کے جواب میں حفاظتِ خود اختیاری کے طور پر استعمال کی گئی ہو۔

(تحریکِ ترکِ موالات کی ضرورت اور اہمیت)

مالٹا سے واپس آکر مجھے معلوم ہوا کہ ہندوستان کے اربابِ بست و کشاد نے آخری طریق کار اپنے فرائض کی ادائیگی اور اپنے جذبات و حقوق کے تحفظ کا یہ قرار دیا ہے کہ وہ قرآن کریم کی ایک صریح تعلیم اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک روشن اُسوۂ حسنہ کو مضبوط تھام لیں، اور نفع و ضررِ قومی کا موازنہ اور عواقبِ ملیہ کی پوری جانچ کرکے اس کو بے خوف و خطر انجام پہنچائیں۔ اور وہ اس کے سوا اَور کچھ نہیں ہے کہ اعدائے اسلام (دشمنانِ اسلام) کے ساتھ تعاون و موالات کو اعتقاداً و عملاً ترک کر دیں۔

(مسلمانوں کی غیرت کا تقاضا ہے کہ وہ انگریز سرکار سے عدمِ تعاون کریں)

اس مسئلے کی شرعی حیثیت ناقابلِ انکار ہے اور صادق مسلمان کی غیرت کا ایسے حالات میں یہی اقتضا (تقاضا) ہونا چاہیے کہ وہ:

www.rahimia.org

1۔ سرکاری اعزازوں اور خطابات کو واپس کردے۔
2۔ ملک کی جدید کونسلوں میں شریک ہونے سے انکار کردے۔
3۔ صرف اپنی ملکی اشیا اور مصنوعات کا استعمال کرے۔
4۔ سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں اپنے بچوں کو داخل نہ کرے۔
5۔ اس کے علاوہ جو تجاویز وقتاً فوقتاً شائع کی جائیں، ان پر عمل کریں۔ بشرطیکہ:

الف: اتباعِ احکامِ شریعت کیا جائے اور عمل درآمد میں خلافِ حکمِ شرع کا اِرتکاب پیش نہ آئے۔

ب: نیز اس امر کا پورا لحاظ رکھا جائے کہ جن اُمور میں فساد یا نقصِ امن کا اندیشہ ہو، ان سے احتراز کیا جائے۔ اور ہر کام میں اِفراط و تفریط سے بچ کر اعتدال پیشِ نظر رہے۔

(حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہٗ کے قول کی اہمیت)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہٗ کا ارشاد ہے:

’’إذا أحسن النّاس فأحسن معهم، و إذا أساؤا فاجتنب أسائتهم‘‘. [13]

(جب لوگ نیکی کریں تو ان کے ساتھ رہو اور جب برائی کریں تو اُن کی برائی سے بچو۔)

کا لحاظ رکھنا ہر ایک امر میں مفید ہے اور ضروری سمجھا جائے۔

و اللّٰه الموفِّق و المُعين ٥

العبد محمود حسن عفی عنہٗ دیوبندی

۳/ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ (19/جولائی 1920ء)

دوسرا خطبہ

مسلمانانِ میرٹھ کے پیش کردہ سپاس نامہ کے جواب میں حضرت شیخ الہندؒ کا ایک اہم اور نادر بیان

مؤرخہ: 13/جون 1920ء

’’بسم اللّٰه الرّحمٰن الرّحيم

الحمد للّٰه و سلام علٰى عباده الّذين اصطفٰى. أمّا بعد!

’’بندۂ ضعیف ناچیز اپنے برادرانِ مکرمین کی خدمت میں نیازمندانہ عرض کرتا ہے کہ:

آپ حضرات نے جو سچی توجہ اور شفقت اس ناچیز کے حال پر غائبانہ اور حاضرانہ وقتاً فوقتاً ظاہر اور بیان فرمائیں، وہ اس

قابل ہرگز نہیں کہ میں اس کا صرف شکریہ زبان سے ادا کر کے سبکدوش ہوسکوں۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس کا نعم البدل (اچھا بدلہ) دارین (دونوں جہانوں) میں آپ کو عطا فرمائے۔

جو تکالیف کہ اس عرصے میں بندۂ حقیر اور میرے مخلص رُفقا کو پیش آئیں، وہ:

اوّل: تو مقدّراتِ الٰہیہ سے تھیں جو کہ ہم کو پیش آئیں، بلکہ عالَم کی آفرینش سے پہلے مقرر ہو چکی تھیں۔

دوسرے: ارشادِ اکابر:

''بحمد اللہ بہ مصیبتے گرفتارم، نہ بہ معصیّتے''[14]

میری تسکین کے لیے ایک مضبوط ذریعہ تھا۔

تیسرے: جو تکلیف گزر چکی، اس کو یاد کرنے کی نہ ضرورت نہ حاجت۔

بہ قولِ قائل ؎

سفینہ جب کہ کنارے پہ آ لگا غالب
خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہیے[15]

چہارم: آپ حضرات مکرمین نے جو اپنے قدوم (آمد) سے ہم ناچیز بندوں کی عزت افزائی کی، وہ سب تکالیف کا پورا کفارہ ہے، بدیں وجوہ آپ حضرات کو کسی امر کا ملال نہ رہنا چاہیے۔

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا، إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا[16]

سو! البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے، البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔

حضرات! یہ امر معلوم ہو کہ خدمتِ اسلام جو ہر مسلمان پر اس کے مرتبے کے موافق فرض ہے، اس سے کسی قسم کا انحراف مسلمان کی شان سے بعید ہے۔

یہ احقر بھی اپنی لیاقت اور استطاعت کے موافق اس کو بجا لانا اپنے اوپر فرض سمجھتا ہے **و ما توفیقی الّا باللّٰہ**۔

جو امر احقر سے کسی وقت دریافت فرمایا جائے، اللہ کی عنایت سے امید کرتا ہوں کہ اس کے اظہار میں ہرگز تامل نہ ہوگا۔

میں خدمتِ اسلام جو تمام عمر کرتا رہا ہوں، اس خدمت کو ہمت اور راست بازی سے انجام دینے میں حاضر ہوں۔ اور اس کو ذریعۂ نجات سمجھتا ہوں، البتہ جو امر میری استعداد سے زائد ہو اور جس کا تحمل اور انجام دہی اس ضعیف سے ناممکن ہو، اس میں اگر معذوری عرض کروں تو آپ حضرات سے اُمیدِ قبول رکھتا ہوں۔

و العُذر عند کِرام النّاس مقبول

(معزز لوگوں کے سامنے بیان کردہ عذر قابلِ قبول ہوتا ہے)

اس وقت چوں کہ بہ وجوہِ متعددہ معذور ہو رہا ہوں، اس لیے کسی کوتاہی پر خیال نہ فرمایا جائے۔

آخر میں بہ کمالِ عجز و اظہارِ مسرت آپ کے سامنے اور اہلِ اسلام کے لیے حق تعالیٰ شانہٗ سے التجائے نجاح و فلاحِ دارین

کرتا ہوں۔

یا ارحم الرّاحمین ارحمنا، و آخر دعوانا أن الحمد للّٰہ ربّ العالمین.

بندہ محمود حسن

تیسرا خطبہ

حضرت شیخ الہندؒ کا تحریری پیغام برائے خصوصی اجلاس جمعیت علمائے ہند

منعقدہ مؤرخہ: 6/ستمبر 1920ء، بمقام: کلکتہ

(حضرت شیخ الہندؒ نے یہ پیغام 2/ستمبر 1920ء کو تحریر فرمایا تھا،
جو 6/ستمبر 1920ء کو جمعیت علمائے ہند کے خصوصی اجلاس کلکتہ میں پڑھ کر سنایا گیا۔)

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بندۂ ناچیز وضعیف اپنے مکرمین اور مخلصین حضرات کی خدمت میں تسلیماتِ مسنونہ کے بعد ملتمس ہے:

(1) سب سے پہلے یہ عاجز آپ حضرات کی ان مساعیٔ جمیلہ (اچھی جدوجہد اور کاوش) کا شکریہ واجب سمجھتا ہے، جن کو آپ حضرات نے اپنی لگاتار کوششوں سے اپنے ملک اور قوم اور ملت کی بہبودی کے لیے بے دریغ مبذول فرما رہے ہیں، اور سوتے ہوؤں کو خوابِ غفلت سے جگا جگا کر اور کمزوروں کو چونکا چونکا کر مفید باتیں دکھا اور سنا رہے ہیں۔

فجزاکم اللّٰہ عنّا أحسن الجزاء و أفضل الجزاء .

(اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو ہماری طرف سے اچھی اور بہترین جزا دے۔)

اس وقت تمام ملک میں (آزادی اور حریت کے حوالے سے) جو آثارِ بیداری کہیں زیادہ، کہیں کم نظر آتے ہیں، وہ آپ ہی کی جدوجہد کا نتیجہ اور آپ ہی کی جان توڑ مسلسل محنت اور ہمت کا ثمرہ ہے۔ **اللّٰھمّ زِد فزد .**

(2) اس کے بعد یہ عرض ہے کہ آپ حضرات نے جو اس ناتواں اور ناکارہ کو یاد فرما کر عزت و احترام کے ساتھ مکرر سہ کرر (بارہا) اپنی شرکت سراسر برکت کے لیے طلب فرمایا، اس کا جواب بجز ''لبّیک'' (میں حاضر ہوں) کے کچھ نہ تھا، مگر کیا عرض کروں، ہجومِ عوارض (امراض کی کثرت) اور کمزوریٔ طبیعت ایسی سدِّ راہ ہے کہ باوجود عزم و اشتیاقِ شرکت، کسی طرح حرکت نہ کر سکا۔ اور افسوس کے ساتھ آپ حضرات کی تعمیل سے بالکل قاصر رہا۔ آپ کے اخلاصِ کریمانہ سے بوجہ اپنی معذوریٔ قویٰ کے معافی کا مستحق ہوں۔

(3) اب بجز اس کے کیا کر سکتا ہوں۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ آپ کے نِیّات و مساعی میں برکت عطا فرماوے اور اہلِ اسلام اور تمام ملک کو اس کی خیر و برکت سے مستفیض کرے۔ یہ دور اُفتادہ باوجود ضعف و ناتجربہ کاری آپ کی ہمدردی و شرکت میں باِذن اللّٰہ ہرگز قاصر نہیں۔ **فالحمد للّٰہ .**

(4) یہ ضرور ہے کہ ترکِ موالات وغیرہ جملہ اُمور میں انجام بینی اور احتیاط سے کام لیا جائے۔ کسی جوش اور جذبے کی اتباع بغیر تأمُّل و مشورہ ہرگز نہ کی جائے۔ و اللّٰہ الموفِّق و المعین .

بندہ محمود عفی عنہٗ

۱۸/ ذی الحجہ، یومِ جمعہ (۱۳۳۸ھ / 2/ ستمبر 1920ء)

حواشی وحوالہ جات

1۔ یہ مصرعہ حضرت شیخ الہندؒ کی اس منقبت سے لیا گیا ہے، جو انھوں نے اپنے شیخ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے بارے میں بیان فرمایا تھا۔

2۔ 4-الجمعة: 4۔ 3۔ 3-آلِ عمران: 26۔

4۔ نقشِ حیات، از حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ، ج: 2، ص: 233 تا 237، طبع: مکتبہ دینیہ، دیوبند۔

5۔ تذکرۂ شیخ الہندؒ، از مولانا مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری، ص: 382 تا 385، طبع: مجلس یادگارِ شیخ الاسلام پاکستان۔

6۔ نقشِ حیات، از حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی، ج: 2، ص: 255 تا 257، طبع: عزیز پبلی کیشنز، 56- میکلوڈ روڈ، لاہور۔

7۔ حیاتِ شیخ الہند، از میاں سیّد اصغر حسین، ص: 160، 161، طبع: ادارہ اسلامیات، لاہور

8۔ بہ حوالہ تذکرۂ شیخ الہند، نیز دیکھئے! شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ؛ حیات اور علمی کارنامے، از اقبال حسن خان۔

9۔ 8-الأنفال: 46۔ 10۔ 5-المائدة: 2۔ 11۔ 5-المائدة: 51۔

12۔ کلیاتِ ذوق، از شیخ ابراہیم ذوق، ج: 1، ص: 282، غزل نمبر 136، طبع: مجلس ترقی ادب، لاہور، 1967۔

13۔ اس حدیث کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عبیداللہ بن عدی بن خیار خلیفہ ثالث امیرالمؤمنین حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے پاس اُس وقت داخل ہوئے، جب باغیوں نے آپؓ کو محصور بنا رکھا تھا۔ انھوں نے حضرت عثمانؓ سے عرض کیا کہ: ''آپ تمام لوگوں کے حکمران ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ آپ پر یہ مصیبت نازل ہوئی ہے۔ ہمیں باغی اور فتنہ پرور امام نماز پڑھاتا ہے اور ہمیں اُس کے پیچھے نماز پڑھنے میں تکلیف ہوتی ہے۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے اُن سے فرمایا کہ: ''یہ لوگ جو عمل کرتے ہیں، اُن میں نماز سب سے بہترین عمل ہے۔ پس جب لوگ اچھا عمل کریں تو تم اُن کے ساتھ اُس اچھے عمل میں شامل ہوجایا کرو۔ اور اگر وہ بُرا عمل کریں تو اُن کی بُرائی سے اپنے آپ کو بچاؤ''۔ (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب امامة المفتون و المبتدِع، حدیث: 695)

14۔ گلستان، از شیخ مصلح الدین سعدی شیرازیؒ، باب 2: در اَخلاقِ درویشاں، حکایت نمبر 13، ص: 114، کلیاتِ سعدی، ۱۳۵۱ھ۔

حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ تحریر فرماتے ہیں: ''مولانا (شیخ الہندؒ گرفتاری کے لیے) روانگی کے وقت نہایت مطمئن تھے اور احباب سے رُخصتی میں ملتے وقت فرماتے تھے کہ: ''الحمد للّٰہ بہ مصیبتے گرفتارم، نہ بہ معصیتے'' (اللہ کا شکر ہے کہ ایک مصیبت میں گرفتار ہوا ہوں، نہ کہ کسی جرم میں گرفتار ہوا ہوں)۔ (سفر نامہ اسیرِ مالٹا، از حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ، ص: 69، طبع: مکی دارالکتب، لاہور)

15۔ دیوانِ غالب (نسخۂ رضا)، از مرزا اسداللہ غالب، ص: 442، مرتبہ: کالی داس گپتا رضا، ساکار پبلشرز، بمبئی، 1995ء۔

16۔ 94-ألم نشرح: 6-5۔

☆

مکتوبات

مکتوبات

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ

ترتیب وتدوین: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

(حرفِ تعارف)

(حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ برعظیم پاک و ہند کی وہ عظیم شخصیت ہیں کہ جنھوں نے شریعت، طریقت اور سیاست کی جامعیت کے ساتھ دینِ اسلام کے غلبے اور اس خطے کی آزادی وحریت کے لیے کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ آپؒ کے خطبات، تحریرات اور مکتوبات اس حقیقت کی نشان دہی کرتے ہیں کہ آپؒ نے دینِ اسلام کے تمام شعبوں میں انسانیت کی رہنمائی کی ہے۔ آپؒ کے قلم سے تحریر کردہ افکار و خیالات، تجزیات اور مکتوبات بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ کے خطبات ہم وقتاً فوقتاً ''شعور و آگہی'' میں تحقیق وترتیب کے ساتھ شائع کرتے رہے ہیں۔ اسی تناظر میں حضرت شیخ الہندؒ کے مکتوبات بھی بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ کے کل 36 مکتوبات ہمیں دستیاب ہوئے ہیں۔ ان خطوط کو تحقیق وترتیب اور ترجمے کے ساتھ مرتب کرکے آئندہ صفحات میں پیش کیا جا رہا ہے۔

آپؒ کے دستیاب شدہ خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ آپؒ کے مکتوب الیہم شخصیات میں:

(الف) آپؒ کے رفیقِ خاص حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہٗ بھی ہیں۔

(ب) آپؒ کے تلامذہ میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا محمد احمد نانوتویؒ (مہتمم دارالعلوم دیوبند)، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی (نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند)، حضرت مولانا میاں سیّد اصغر حسین دیوبندیؒ، مولانا حاجی محمد احمد بزرگ سورتیؒ ایسی شخصیات شامل ہیں۔

(ج) آپؒ کے ہم عصر مشاہیر میں علامہ محمد شبلی نعمانیؒ اور مولانا عبدالباری فرنگی محلّیؒ۔ آپؒ کے ساتھ نسبت رکھنے والے چھوٹوں میں نواب رشیدالدین خاںؒ، حافظ زاہد حسین امروہویؒ، مولانا حکیم عبدالرشید محمود گنگوہیؒ عرف ''ننھو میاں''، مولانا عزیزالدین ہوشیارپوریؒ، مولانا حافظ حبیب الرحمٰن سیوہارویؒ، حضرت مولانا سیّد عبدالغفور سیوہارویؒ اور خلیفہ صاحب ڈیرہ اسماعیل خانؒ شامل ہیں۔

(د) اہلِ خاندان میں مولانا حکیم محمد حسنؒ (برادر حضرت شیخ الہندؒ)، مولوی سعید احمد دیوبندیؒ عرف ''کلّو''، قاضی مظہر حسینؒ، مولانا محمد حنیف دیوبندیؒ، مولانا محمد رفیع دیوبندیؒ عرف ''بھولو'' و مولانا محمد عثمان دیوبندیؒ۔

یہ مکتوبات ہم نے ''سوانح حیات حضرت مولانا سیّد اصغر حسینؒ'' از مولانا سیّد اختر حسین، ''تذکرۂ شیخ الہند'' از مولانا

مفتی عزیزالرحمٰن بجنوریؒ اور ''حضرت شیخ الہندؒ کے سیاسی خطبات و فتاویٰ، خطوط اور پیغامات'' مرتبہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوریؒ سے لیے ہیں۔ ان میں ایک خط دارالعلوم دیوبند کے کتب خانے کے شعبۂ نوادرات سے حال ہی میں حاصل ہوا ہے۔ ٹائٹل پیج پر حضرت شیخ الہندؒ کے عکسِ تحریر اور حضرت میاں اصغر حسینؒ کی سند کے لیے ہم جناب شبیر احمد میواتی کے شکرگزار ہیں۔

ان مکتوبات کو تحقیق و ترتیب اور حواشی کے ساتھ مرتب کر کے قارئینِ ''شعور و آگہی'' کے لیے پیش کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلے میں محترم جناب وسیم اعجاز نے بھی ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ مدیرِ اعلیٰ)

مکتوب

بنام حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہٗ [1]

بانی خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مکتوب (1/1)

(از مالٹا) (تحریر کردہ: ۶/ تا ۱۲/ جمادی الثانیہ ۱۳۳۶ھ/ 19/ تا 25/ مارچ 1918ء)

الحمد للّٰہ علیٰ کلّ حال، و أعوذ باللّٰہ من حال أھل النّار.

(ہر حال میں تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور میں جہنمیوں کی حالت میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں)

کھف الغرباء، و ملاذ الضعفاء، مدّ فیوضکم، و دامت برکاتکم.

(غربا کی پناہ گاہ اور کمزور لوگوں کی حفاظت کا مرکز۔ اللہ تعالیٰ آپ کے فیوضات و برکات کو ہمیشہ برقرار رکھے)

خاک پائے مکرمین تسلیم مسنون کے بعد ملتمس ہے۔

اس وقت بحمداللہ آٹھ نو خط اپنے مکرمین اور مخلصین [2] کے اکٹھا مجھ کو (یہاں مالٹا میں) ملے۔ سب کی خیریت معلوم ہو کر مسرت ہوئی۔ **والحمد للّٰہ، ولا حول و لا قوّۃ إلّا باللّٰہ.**

(اللہ کا شکر ہے اور اللہ کے علاوہ کسی میں طاقت اور قوت نہیں ہے۔)

یہ جملہ خطوط محرم (۲۳/ محرم ۱۳۳۶ھ/ ۱۱/ نومبر ۱۹۱۷ء) کے لکھے ہوئے تھے، جو مجھ کو (۱۹/) جمادی الاولیٰ (۱۳۳۶ھ/ ۲/ مارچ ۱۹۱۸ء) میں ملے اور یہ عذر کیا گیا کہ یہ خطوط لندن گئے تھے۔ وہاں سے اب آئے، اس لیے تاخیر ہوگئی۔ [3]

اپنے خیر اندیش احباب کے حکم کو ردّ کرنا کبھی پسند نہیں کیا۔ بالخصوص جس کا منشا محض ہمدردیٔ احقر ہو۔ بالخصوص جناب کا ارشاد کہ جس کا خاص اور ممتاز اثر اپنے اوپر محسوس کرتا ہوں۔ اس لیے عرض ہے کہ جناب مطمئن رہیں:

(الف) ان شاء اللہ تعالیٰ سب کو ''نَعَمْ'' (ہاں) اور تسلیم میں جواب دوں گا۔

(ب) مگر سوچتا ہوں کہ جناب کے مؤثر اِرشاد توجہ آمیز کا کیا جواب عرض کروں۔

یہی عرض مناسب سمجھتا ہوں کہ اس ناکارہ کی نسبت اگر کوئی امر قابلِ استفسار (پوچھنے کے قابل) آیندہ (آپ کو) معلوم ہو تو مجھ سے دریافت کرنے کی حاجت نہیں۔ جناب کی رائے میں — جو امر احقر کے مناسبِ حال ہو — وہ ان شاء اللہ مجھ کو مسلَّم (تسلیم) ہوگا۔ سب احباب کو مطمئن کر دیجیے۔

میں کہاں رہنا پسند کرتا ہوں، دو دفعہ اس کے متعلق مجھ کو کچھ کہنے کی نوبت آئی ہے۔ گو وہ بھی ارشادِ مُحِبّین (محبت کرنے والوں کے ارشاد) کے زیادہ مخالف تھا، مگر آیندہ کو اِن شاء اللہ! اِرشادِ مکرمین کی حتی الوسع زیادہ پابندی کروں گا۔[4]

و اللّٰہ یفعل مایشآء (اللہ جو چاہتا ہے، کرتا ہے)۔

جناب نے بہت فقرے ایسے تحریر فرمائے کہ پڑھنے سے محجوب (شرمندہ) ہوتا ہوں۔ اُن کا جواب کیا عرض کروں۔ بس جو تحریر فرمایا، برسر۔ ہاں! اتنی گستاخی کرتا ہوں کہ:

(الف) جیسے ارشادِ (باری تعالیٰ میں حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل سے نکلنے کے لیے یہ شرط لگائی تھی:) ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ الخ[5] (لوٹ جا اپنے مالک کے پاس اور پوچھ اُس سے کیا حقیقت ہے ان عورتوں کی) کا اتباع نہ کروں گا (یعنی خود جیل سے نکلنے کے لیے کوئی شرط نہیں لگاؤں گا)۔

(ب) ایسے ہی (حضرت یوسف علیہ السلام کی اس بات) اذْكُرْنِي عِندَ رَبِّكَ[6] (میرا ذکر اپنے مالک کے پاس کرنا) کے امثال (جیسی مثالوں) کے امتثال (پورا کرنے) سے بھی معذور سمجھا جاؤں۔[7]

(یعنی مالٹا کی جیل سے نکلنے کے لیے انگریزوں سے خود درخواست بھی نہیں کروں گا۔)

حضرت اور جملہ مکرمین کی دعائے بہبودیٔ دارین کا محتاج ہوں، دگر (باقی سب) ہیچ (بے کار)۔

احقر اپنے اُنھیں قدیمی مشاغل میں یہاں بھی مصروف ہے۔ آج کل دو سبق پڑھا لیتا ہوں اور کچھ ترجمہ (قرآن حکیم) کر لیتا ہوں۔ (سورت) احزاب[8] تک پہنچ گیا ہوں۔

میرے مخلصین رُفقا (حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی، حکیم سیّد نصرت حسین، مولانا محمد عزیر گل اور مولانا وحید احمد) کا، سب کا سلامِ شوق قبول فرمایئے۔ اور سب کے لیے دعائے خیر ضرور کیجیے، جن کی وجہ سے ہر طرح کا اطمینان و راحت حق تعالیٰ نے عنایت فرمایا۔

ایسے مواقع مُکرّر (کئی دفعہ) پیش آئے کہ کُل نہیں تو اکثر رفقا بہ سہولت اس (قید کی) حالت سے نکل سکتے تھے، مگر باوجود احقر کی تاکید کے، ایک نے بھی اس کو منظور نہ کیا۔ بس یہاں فکر ہے تو انھیں حضرات کی طرف سے ہے۔

اور اس ناکارہ کی رستگاری (رہائی) میں جو بڑا نفع نظر آتا ہے، وہ بس یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ خیریت سے ان صاحبوں کو اپنے مأمن (پُر امن وطن) میں پہنچائے اور ان کی وجہ سے ناکارہ کا بھی انجام بخیر ہو۔

- -

مکتوب

بنام حضرت مولانا محمد احمد نانوتویؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند [9]

وحضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند [10]

مکتوب (2/1)

گر بماندیم زندہ ، بر دوزیم
جامۂ کز فراق چاک شدہ
ور بہ مُردیم ، عذرِ ما بہ پذیر
اے بسا آرزو کہ خاک شدہ [11]

(اگر ہم زندہ رہے تو ہم سی دیں گے
اُس جدائی کے لباس کو جو پھٹا ہوا ہے
اور اگر ہم مر گئے تو ہمارا عذر قبول کیجیے
اے کاش! کتنی ہی آرزوئیں ہیں جو خاک میں مل گئیں)

برادران! ومکرمانم!

رزقکم اللّٰہ خیراً ، و حفظکم ضُرّاً و ضَیراً.

(اللہ تعالیٰ تمھیں بھلائی عطا فرمائے اور تمھیں ہر طرح کی تکلیف اور نقصان سے محفوظ رکھے)

بندہ محمود سلام مسنون کے بعد عرض کرتا ہے:

آپ حضرات کے آٹھ نو خط — جو غالباً سب ۲۳/محرم (۱۳۳۶ھ) اور ۱۱/نومبر (1917ء) کو لکھے ہوئے تھے — بندہ کو سب کے سب اب دو مارچ (1918ء) کو ملے۔ اور یہ عذر کیا گیا کہ تمھارے یہ خطوط لندن گئے تھے۔ وہاں سے اب واپس آئے، اس لیے تاخیر ہوئی۔

مسٹر برن صاحب (سیکرٹری گورنر یو۔ پی) [12] غالباً ایک ہفتے سے کم مالٹا میں قیام پذیر رہے۔ اور اسی عرصے میں انھوں نے مجھ سے اور میرے رفقا سے بیانات لیے۔ اور سب نے اُن کے استفسارات کے جواب دیے، مگر صاحب موصوف نے حالاتِ گزشتہ کے متعلق اکثر سوالات کیے تھے۔ اُسی کے مطابق جواب بھی دیے گئے۔

یہ امر — جو آپ حضرات کے خطوط سے اب معلوم ہوا — اس کا اصلاً (بالکل) تذکرہ نہیں آیا۔ سو اِس کا جواب آپ کی

خدمت میں ارسال کرتا ہوں۔ یہ اللہ کو معلوم ہے کہ آپ تک کب اور کیوں کر پہنچے۔

الغرض! جو تاخیر ہوئی یا آیندہ ہو، اس میں مَیں معذور ہوں۔ میری طرف سے قصور نہیں۔

آپ حضرات کی جملہ تحریرات کا خلاصہ دو امر سمجھا ہوں:

(1) اوّل: ہندوستان آنا منظور کرلوں۔

(2) دوسرے: وہاں پہنچ کر اپنے قدیمی مشاغل میں مصروف اور حسبِ طرزِ قدیم سیاسیات سے الگ تھلگ رہوں۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ میرے مخلص مجھ سے دریافت کرنے سے پہلے ہی ہز آنر (عزت مآب) سے میری نسبت ان (دونوں) امور کا وعدہ بھی کر چکے ہیں۔ سو میرے مخلص، جو میرے قدیم طرز و تعلقات سے واقف ہیں، اُن کو میرا صرف ''ہاں'' یا ''نَـعَـمْ'' کہہ دینا، اُن کے اطمینان کے لیے بالکل کافی ہے۔

اس کی حاجت نہیں کہ طویل مضمون لکھوں، مگر تغیرات کا ہجوم ہے۔ اس لیے صرف اپنے مخلصین کے مزید اطمینان کے لیے اتنا عرض کیے دیتا ہوں کہ گو حدِ خرافت (بڑھاپے کی حد) تک پہنچ چکا ہوں، مگر اتنا خوب سمجھتا ہوں کہ:

(الف) دوستوں کا اس شان سے مجھ کو پھر ہندوستان میں بلانا

(ب) اور میرے جملہ افعال کی کفالت کرنا،

باہم مترادف ہیں۔

علیٰ ہذا (اسی طرح:)

(الف) میرا ہندوستان کی مراجعت کو قبول کرنا

(ب) اور اپنے احباب کے متعلق تمام ان کی خیر اندیشیوں کو اپنے سر لینا

دونوں مساوی ہیں۔

میں نے حاجت (ضرورت) سے زائد لکھ دیا۔ کیوں کہ الحمد للہ میرے صحیح مخاطب ہیں۔

یہ آپ حضرات کی جملہ تحریرات کا جواب ہے۔ جو مجھ کو آپ کی پریشانی سے متأثر ہو کر دینا ضروری ہوا۔

اس کے بعد اتنی مختصر عرض اَور (مزید) ہے کہ جو کچھ دردسری آپ صاحبوں نے کی، **عـالِـمِ سِرّ و خفیّات** (خفیہ اور پوشیدہ باتوں کو جاننے والا اللہ تبارک وتعالیٰ) اس کی جزا آپ کو دے۔ اس پر جو نتیجہ ہونا ہوگا، ہو کر، بات ایک طرف ہو جاوے گی۔

اب آپ حضرات اور جملہ احبابؔ اللہ پر نظر رکھیں اور ہرگز پریشان نہ ہوں۔ آپ کی پریشانی کا اثر اپنے اوپر پاتا ہوں۔ ورنہ میں **الحمد للّٰہ ثم الحمد للّٰہ** اس وقت تک عافیتِ دارین کے ساتھ مطمئن ہوں۔ (اَور) کسی طرف نظر نہیں جاتی۔

وہ (اللہ تعالیٰ) قوی و قدیر — جس کے حکم سے نارِ مشتعل برد و سلام (بھڑکتی ہوئی آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی) ہو جاوے — کیا وہ مالٹا جیسی ارضِ **بُـعَـداء و بُـغَـضَـاء** (دور اُفتادہ اور بغض وعداوت سے بھری ہوئی زمین) کو کسی نالائق کے لیے ہندوستان کی برابر نہیں کرسکتا۔ **لا إلٰه إلا اللّٰه محمّد رّسول اللّٰه.** [13]

www.rahimia.org

مکتوبات

بنام حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (14)

مکتوب (3/1)

از احقر محمود عفا عنہٗ

بہ خدمتِ گرامی مکرمی جناب مولانا مولوی اشرف علی صاحب

زید مجدھم و دام شرفھم

تسلیمات وتحیاتِ مسنونہ کے بعد عرض ہے:

(الف: سورت النور میں) ''الزّانیة'' [15] کے تقدُّم (زانی سے پہلے ذکر کرنے) اور

(ب: سورت النساء میں) ''السّارقة'' [16] کے تأخُّر (سارق کے بعد)

کی نسبت چوں کہ بالتصریح (صراحت کے ساتھ) حضرات اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ سے کوئی بات سنی ہوئی بندہ کو یاد نہیں۔ اس لیے کچھ جواب دینے کی جرأت نہیں ہوتی۔ اہلِ تفاسیر کے ارشادات جناب کو مجھ سے زائد معلوم ہیں۔

پھر فرمایئے عرض کروں تو کیا کروں۔ البتہ مُلّاں کی تعریف میں داخل ہونے کی نیت سے یہ عرض ہے کہ:

(الف) ''سارِق'' (چورمرد) اور ''سارِقہ'' (چورعورت) فعلِ سَرقہ (چوری کرنے کے کام) میں ہر ایک مستقل ہے۔ ایک کے فعل (چوری کرنے) میں دوسرے کو دخل نہیں۔

(ب) بہ خلاف فعلِ زنا کے، کہ فعلِ واحد دونوں (زانی اور زانیہ) کا محتاج ہے، کسی کو مستقل نہیں کہہ سکتے۔

اس لیے (آیتِ خداوندی میں) ''سارق'' کو مقدم (سارقہ سے پہلے بیان) فرمانا تو محلِ خلجان نہیں ہوسکتا کہ رجال (مرد) اشرف اور اقویٰ (طاقت ور) ہونے کی وجہ سے تقدیم (پہلے ذکر کرنے) کے مستحق ہیں۔ چناں چہ آیاتِ قرآنی میں یہ تقدیم جا بہ جا موجود ہے۔ حتیٰ کہ صرف ''رجال'' (مردوں) پر اکثر مواقع میں احکام وخطابات جاری فرمائے جاتے ہیں۔ اور نساء (عورتوں) کا ذکر تک بھی نہیں فرماتے۔ تبعاً نساء (مردوں کے تابع عورتوں) کو داخل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

البتہ باعثِ خلجان یہ ہے کہ خلافِ قاعدہ آیہ سورۂ نور میں ''زانیہ'' کو مقدم (زانی مرد سے پہلے) ذکر فرمانے کی کیا وجہ ہو۔ اس کی نسبت یہ عرض ہے کہ:

(الف) بسا اوقات باعثِ تقدیم (کسی چیز کو پہلے بیان کرنے کا سبب) بے شک اَولَوِیّت اور اَقدمِیّت (پہلے اور اعلیٰ ہونا) ہوتی ہے۔ اسی کی وَجہ سے رجال (مردوں) کو مستمِرّاً (ہمیشہ) مقدم کیا جاتا ہے۔

(ب) مگر کبھی یہ بھی ہوتا ہے (کہ) کسی مصلحت کی رعایت سے ضعیف کو قوی پر مقدم کرنا عین حکمت و بلاغت سمجھا جاتا ہے:

(جیسا کہ سورت النساء کی) آیت ''مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٖ يُوصِي بِهَآ أَوۡ دَيۡنٍ'' (بعد وصیت کے، جو کر مرا، یا بعد ادائے قرض کے) [17] میں (مرنے والے کی) ''وصیت'' کو ''دَین'' (اُس کے قرض) پر اسی وجہ سے مقدم فرمایا گیا۔ حال آں کہ ''دَین'' ''وصیت'' سے قوی ہے۔

جب کہ یہ مُسلّم (تسلیم) ہو چکا کہ تقدیم (کسی کو پہلے بیان کرنا):

(الف) کبھی بہ وجہ قوت ہوتی ہے

(ب) اور کبھی بہ وجہ ضعف۔ تو اب یہ عرض ہے کہ:

''ما نحن فیه'' (ہمارے زیرِ بحث مسئلے) میں ''زانیه'' کی تقدیم میں دونوں وجہ جاری ہوسکتی ہیں:

(پہلی وجہ:) جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہر چند فعلِ زنا گو (مرد اور عورت) دونوں پر موقوف ہے، مگر اکثر اوقات یہی ہوتا ہے کہ محرکِ اوّل اس امر میں عورت ہی ہوتی ہے۔ کم سے کم یہ ہوتا ہے کہ اس کی طرف سے ایسے انداز و حرکات صادر ہوتے ہیں، جو رجال کو باعثِ رغبت و تہیُّجِ شوق ہوجاتے ہیں۔ بدوں (بغیر) اس کے — کہ عورت کی طرف سے کسی قسم کی ادنیٰ اعلیٰ تحریک ہو — وقوعِ زنا نہیں ہوتا، یا ہو تو شاذ و نادر ہو۔

(آیت میں) فقط (صرف) ''زانیه'' (زنا کرنے والی) فرمانا — ''مَزنیه'' (جس کے ساتھ زنا کیا گیا) نہ فرمانا — بھی اس طرف مشیر (اشارہ کر رہا) ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ عورت کو لباسِ زینت و خوشبو کے ساتھ گھر سے نکلنا یا اَجانِب (اجنبی لوگوں) کے قریب ہونا بھی منع ہوا۔ بہ خلاف رجال (مردوں کے) کہ ان پر یہ تشدد (سخت حکم) نہیں فرمایا گیا اور عورت کے تحرُّک (حرکات و اشارات) کے بعد رجال سے صبر و ضبط ہونا شاذ و نادر۔ یہی وجہ ہے کہ مرد کی طلب کو عورت بسا اوقات مسترد کر دیتی ہے، مگر طلبِ نساء (عورتوں کی طلب) کو رجال سے روکنا نہایت دُشوار اور نادر الوقوع (بہت کم واقع ہوتا ہے)۔

نظر بریں (اس پر نظر کرتے ہوئے) وجوہِ نساء (عورتوں کے پہلو) اس بارے میں اقویٰ اور اقدم ہیں اور لائقِ تقدیم (پہلے بیان کرنے کے لائق)۔ حضرات مفسرین کے ارشادات سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

(دوسری وجہ:) اور جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ رجال (مرد) اس امر میں فاعل و مختار و قادر (ہیں)، و نساء (عورتیں) منفعل و مجبور (ہوتی ہیں) حتیٰ کہ (امامِ اعظم) ابوحنیفہ — رحمة الله تعالی — تو رجال (مردوں) پر اکراہ علی الزّناء (زبردستی زنا کروانے) کو معتبر بھی نہیں فرماتے تو عورت کی جانب ضعیف معلوم ہوتی ہے۔

جس سے ممکن ہے کہ کسی کو اجرائے حدِ زنا (زنا کی حد جاری کرنے) کا — جو کہ اشدّ الحدود (حدوں میں سب سے زیادہ سخت) ہے — نساء (عورتوں) پر موجبِ رافت (رحم دلی کا سبب) و درگزر ہوجائے۔ اس لیے ''نساء'' کو ''رجال'' پر مقدم فرمانا (ایسا ہی ہے، جیسا کہ) مثلِ تقدیم وصیّة علیٰ الدَّین (وصیت کو قرض پر مقدم کرنا) مطابقِ حکمت و بلاغت ہوا۔

نیز وجہِ ثانی کی مؤید، (دوسرے پہلو کی تائید کرنے والی) ایک وجہِ وجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ:

نساء (عورتوں) کی نسبت زنا کی ادنیٰ سے تہمت بھی — نعوذ باللہ — اس قدر موجبِ ننگ و عار (شرمندگی کا سبب) ہے کہ

اس کا تحمُّل (برداشت) معمولی آدمیوں سے تو کیا، خواص سے بھی سخت دُشوار۔

اب یہ الزام کسی عورت پر لگے اور حاکم کے روبرو جا کر سارے مراحل طے ہو کر علی الاعلان عورت پر حدِ زنا کو جاری کیا جاوے، اللہ اکبر! اس قدر سنگین امر ہے کہ اولیا (عورت کے سرپرست اور ولی) سے مَزنِیہ تو درکنار، تمام خاندان و اہلِ قبیلہ و اہلِ برادری کو بھی اس کا تحمُّل ما لا یُطاق (نا قابلِ برداشت) نظر آتا ہے۔ (جیسا کہ حضرت ہلال بن اُمیہ رضی اللہ عنہٗ کی بیوی نے جرم ہو جانے کے باوجود اپنی قوم اور قبیلے کو رُسوائی سے بچانے کے لیے جھوٹی قسم کھاتے ہوئے کہا تھا ۔)

لا افضح قومی سائر الیوم [18]
(میں اپنی قوم کو تمام عمر کے لیے رُسوا نہیں کرسکتی)

(حدیث میں) شاہد بھی موجود ہے۔

اس لیے عورت پر حدِ زنا جاری کرنے میں بالیقین (یقینی طور پر) سب ہی تساھُل (سستی) کریں گے، بالکل مانع ہونے (اس میں رُکاوٹ پیدا کرنے) کو مستعد ہوں گے۔ تو اب اجرائے حد (حد جاری کرنے) میں ان کو مقدم فرمانا (ایسا ہی ہے، جیسا کہ) تقدُّم وصیت علی الدّین (وصیت کے قرض پر مقدم ہونے) سے بدرجہا زائد قابلِ قبول ہونا چاہیے۔

و اللّٰہ سبحانہ أعلم.

و لا حول و لا قوّة إلّا باللّٰہ العلیّ العظیم. [19]

مکتوب (4/2)

(۲/شوال ۱۳۳۵ھ / 21/جولائی 1916ء)

معدنِ حسنات و خیرات

دام ظلّکم!

السّلام علیکم و رحمة اللّٰہ و برکاتہٗ

نامۂ سامی موجبِ مسرت و امتنان ہوا۔ جو ہوا، مکرمین و مخلصین کی ادعیۂ مقبولہ کا ثمرہ ہے۔ دام فیوضھم و برکاتھم۔ احقر اور رُفقا و متعلقین بحمداللہ خیریت سے ہیں۔ سب کا سلام مسنون قبول ہو۔

و السّلام علیکم و علیٰ من لدیکم

فقط بندہ محمود عفی عنہٗ از دیوبند

دوئم شوال (۱۳۳۵ھ / 21/جولائی 1916ء) روز یک شنبہ (اتوار)

مکتوب (5/3)

(۱۲/محرم ۱۳۳۵ھ / 8/نومبر 1916ء)

سراپا فضل وکمال

شرّفکم اللّٰہ تعالیٰ، و جعلکم فوق کثیر من النّاس

السّلام علیکم و رحمة اللّٰہ

بارہا آپ کی خیریت معلوم ہونے کا داعیہ پیدا ہوا اور ایک دو دفعہ بعض آیندگان (یہاں آنے والے لوگوں) کی زبانی آپ کی خیریت معلوم بھی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مع جملہ متعلقین خیریت سے رکھے۔

اس وقت ایک صاحب بنگالی مسمّٰی عبدالمجید سے ملاقات ہوئی، جو ہندوستان واپس ہورہے ہیں اور جناب کی خدمت میں حاضر ہونے کا قصد رکھتے ہیں۔ یہ موقع غنیمت معلوم ہوا۔ اس لیے یہ عریضہ روانہ کرتا ہوں۔

بندہ مع رفقا بحمداللہ اس وقت تک بالکل خیریت اور اطمینان سے ہے۔ شروع رجب (۱۳۳۴ھ / شروع مئی 1916ء) میں مکہ معظّمہ حاضر ہوگیا تھا۔ اس وقت تک یہیں حاضر ہوں۔

مجھ کو امید ہے کہ فلاح وحسن خاتمہ کی دعا سے اس دُور افتادہ کو فراموش نہ فرماویں گے۔

آئندہ قیام کی نسبت ابھی کچھ عرض نہیں کرسکتا۔

مولوی شبیرعلی (تھانوی) صاحب، مولوی محمد ظفر (عثمانی) صاحب، مولوی عبداللہ (گنگوہی) صاحب وغیرہ حضرات سے سلام مسنون فرما دیجیے۔

مولانا مولوی یحییٰ صاحب و مولانا قمرالدین صاحب کی وفات سے بڑا افسوس ہوا۔ إنّا للّٰہ. رحمهما اللّٰہ تعالیٰ۔

والسّلام علیکم و علیٰ من لدیکم.

فقط بندہ محمود عفی عنہٗ

منشی رفیق احمد صاحب کی خدمت میں سلام۔ خدا کرے ان کا رسالہ روبہ ترقی ہو۔

مکہ معظّمہ۔۱۲/محرم (۱۳۳۵ھ/8/نومبر 1916ء) چہارشنبہ

مکتوب

بنام علامہ محمد شبلی نعمانیؒ [20]

مکتوب (6/1)

(۱۸/ربیع الاوّل ۱۳۲۹ھ / 19/ مارچ 1911ء)

مکرم والا درجت **زِید فضلُکم**

تسلیم مع التّکریم

www.rahima.org

بہ وجہ تشریف آوری حُجاج بندہ کو دہلی، میرٹھ، سہارن پور جانا ہوا، اس لیے جواب میں تاخیر ہوئی۔

آپ نے جو خیال لائقِ مدارس کی نسبت ظاہر فرمایا، نہایت ضروری اور قابلِ اہتمام ہے۔ اس کا بندوبست ہونا چاہیے۔ جیسا آپ نے تصاویر کا انسداد فرمایا، اسی طرح دیگر جزئیات کی طرف وقتاً فوقتاً آپ کی توجہ نہایت مفید اور مؤثر ہوگی۔

ایک مختصر مجمع میں — جس میں چند حضرات بیرونی بھی شریک تھے — حالاتِ موجودہ پر کچھ بحث ہوئی۔ [21]

دو باتیں قابلِ اہتمام سمجھی گئیں:

اوّل: یہ کہ مرکز بنایا جائے یا نہیں؟ اور بنایا جائے تو کس کو؟

دوسری: یہ کہ اس کی صورت کیا ہو؟

امرِ اوّل کو موجودین نے منظور کیا اور بالاتفاق مسئلہ مرکز کو مستحسن کہا۔

تعیینِ مرکز کی نسبت جو رائے ہوئی تو بعد گفتگو یہی قرار پایا کہ:

''مدارسِ اسلامیہ بجز دیوبند اَور کسی کی ماتحتی نہ پسند کرسکتے ہیں اور نہ یہ امر مناسب ہے''۔

بقیہ حضرات سے استفسار کے بعد جو اَمر طے ہوگا، اطلاع دوں گا۔

امرِ دویم یعنی اس سلسلے کی صورت اور شرائط و قیود کیا ہوں گی؟ یہ لمبی بحث ہے، جو جملہ اراکین وغیرہ کے بدوں (بغیر) اس کا تصفیہ — قابلِ اعتبار — ناممکن ہے۔ بعد مشاورت اگر کوئی امر قابلِ عمل درآمد طے ہوگیا تو جناب کو اطلاع دی جائے گی۔ آپ کسی تجویز مفید سے اطلاع فرمائیں تو غالباً اس وقت میں مفید ہوگی۔

مجھ کو یہ بھی خیال ہے کہ آپ کو اور ہم کو یونیورسٹی سے کیا تعلق رکھنا مناسب ہے؟

غالباً آپ نے کوئی امر ضرور مقرر فرما لیا ہوگا۔

والسلام بندہ محمود حسن۔ دیوبند

۱۸ر ربیع الاوّل ۱۳۲۹ھ (19/ مارچ 1911ء)

مکتوبات

بنام حضرت مولانا میاں سیّد اصغر حسین دیوبندیؒ [22]

مکتوب (7/1)

سند منجانب حضرت شیخ الہند و مہتمم دارالعلوم دیوبند

بنام مولانا سیّد اصغر حسین

(مہر) مدرسہ اسلامی عربی دیوبند ۱۲۹۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلّیاً

امابعد! مولوی سیّد اصغر حسین ولد سیّد محمد حسن صاحب مرحوم ساکن دیوبند ضلع سہارن پور، اس مدرسۂ عربیہ اسلامیہ دیوبند میں ابتدا سے ۱۳۱۰ھ (1892ء) میں داخل ہوئے اور ۱۳۲۰ھ (1902ء) تک نہایت محنت اور شوق سے تحصیلِ علوم میں مشغول رہے۔اس مُدّت میں مدرسۂ ہٰذا کے سلسلے کی تمام کتبِ درسیہ مِن اوّلہٖ اِلیٰ آخرہٖ (اوّل سے آخر تک) اچھی طرح پڑھیں اور مدرسے کے مدرّسین و منتظمین کی ہمیشہ ان پر نظرِ شفقت رہی اور سب ان سے خوش رہے۔۱۳۱۲ھ (1894ء) سے ۱۳۲۰ھ (1902ء) ان کو منجانب مدرسہ وظیفہ بھی ملتا رہا۔

یہ چند کلمات بہ طورِ سند کے تحریر کیے جاتے ہیں اور اُن کے لیے توفیقِ خیر کی دعا کی جاتی ہے۔فقط

العبد	العبد
محمود حسن	احمد مہتمم مدرسہ عربیہ
مہر (صدر المدرّسین)	مہر (مہتمم صاحب)

یکم ربیع الاوّل ۱۳۲۰ھ (8/جون 1902ء)

مکتوب (8/2)

سیّد الاخوان

زید مجدکم

بندہ محمود سلام مسنون کے بعد عرض رسا ہے۔نامہ سامی پہنچا۔احوالِ گرامی معلوم ہوئے۔

الحمدللہ کہ آپ اپنی علمی خدمت کو بے کسی کی حالت میں بہ عزت وقناعت بِلا مِنّت (احسان) انجام دے رہے ہیں۔

مکرما! بعض بے کسی نہایت قابلِ قدر ہے ع

مبارک باد و عید آں درد مندِ بے کس و کورا
کہ نَے کَس را مبارک باد گوید ، نَے کَسے اُو را
(مبارک ہو اور عید ہو اُس درد مند کے لیے ، جو بے کس اور مسافر ہے
کہ اُسے نہ کسی نے مبارک باد کہی اور نہ اُس نے کسی کو)

میں آپ کی دعا سے اچھا ہوں۔بعض اطفال شیرخوار (دودھ پیتے بچے) اس عرصے میں انتقال کرگئے۔خدا کرے زادِ آخرت (آخرت کا سامان) ہوں۔بندہ آج بہ وجہ علالت رفیع ابن مولوی محمد شفیع (نواسہ حضرت شیخ الہند) دہلی آیا ہوا ہے۔

آپ بھی دعا فرماویں۔ باقی خیریت ہے۔ اہلِ مدرسہ (دارالعلوم دیوبند میں سب) اچھے ہیں۔

والسلام

فقط بندہ محمود عفی عنہٗ

مکتوب (9/3)

برادر مخدوم

زید مجدکم

ناکارہ محمود سلام مسنون کے بعد ملتمس ہے۔ عنایت نامہ جوابی موصول ہوا۔ آپ کی خیریت معلوم ہوئی۔

حق تعالیٰ آپ کو مضارِ دارَین (دونوں جہانوں کے نقصانات) سے محفوظ و مصئون رکھے۔ دعائے خیر سے گاہ گاہ (کبھی کبھی) یادفرمالیا کیجیے۔ یہاں اب بہت امن ہے۔ مدرسہ و اہل مدرسہ بحمد اللہ خیریت سے ہیں۔

دیوبند وغیرہ اطراف و جوانب میں اپنے اہل تعارف میں بہت صدمات پیش آئے۔ و **اللّٰہ المُستعان۔**

محمد حنیف (داماد حضرت شیخ الہند) اٹاوہ (شہر) سے رُوڑکی (شہر، ضلع سہارن پور میں) بدل آئے، خیریت سے ہیں۔ بندہ کو چند روز تپِ لرزہ (لرزے کا بخار) پھر آ گیا تھا، ہفتہ عشرہ سے طبیعت صاف ہے، باقی خیریت ہے۔

والسلام

فقط بندہ محمود عفی عنہٗ دیوبند دوشنبہ

مکتوب (10/4)

میرے برادرِ مکرم!

حق تعالیٰ آپ کو کمالاتِ دارین سے مالا مال فرمائے۔ آپ کا (پوسٹ) کارڈ اِسی وقت ۳ بجے عید (الفطر) کے روز پہنچ کر موجبِ طمانیت و مسرت ہوا۔

بندہ ابتدائے رمضان میں بیمار زیادہ ہوگیا اور ضعف و خشکی بہت بڑھ گئی۔ اب بحمد للہ مکرم مخلص کی دعا سے مرض میں بالکل افاقہ ہے۔ ہاں! ضعف نے نکما (بے کار) کر رکھا ہے۔ اللہ کو منظور ہوگا تو یہ بھی جاتا رہے گا۔

کئی بار آپ یاد آئے کہ رمضان میں کیوں نہیں آئے۔ آج آپ کی تحریر سے وجوہ نہ آنے کی معلوم ہو کر اطمینان ہوگیا۔ ان شاء اللہ دوسرے موقع پر ملاقات ہوگی۔

دیگر متعلقین بھی نوبت بہ نوبت (یکے بعد دیگرے) بیمار ہوئے۔ اب بفضل الٰہی اچھے ہیں۔ دعائے خیر سے یاد فرماتے رہیے۔ مدرسہ (دارالعلوم دیوبند) میں خیریت ہے۔ سب حضرات خیریت سے ہیں۔

والسلام

فقط بندہ محمود عفی عنہٗ دیوبند یک شنبہ عید (الفطر)

www.rahimia.org

مکتوب (11/5)

(تحریر کردہ: شروع ۱۳۲۸ھ / 1910ء)

برادرِ مکرم

بارک اللّٰہ فیکم و سلّم!

بندہ محمود تسلیماتِ مسنونہ کے بعد ملتمس ہے۔ گرامی نامہ پہنچا۔

بندہ کو مادۂ سوداوی (تیزابیت) نے ستا رکھا ہے۔ ایسی حالت میں اپنی رائے پر رہا سہا اعتماد بھی نہیں ہوسکتا۔ آپ سے (آپ جیسے) مخلص مکرم سے اپنا خیال عرض کرنے میں تکلف بھی بے جا ہے۔

(دارالعلوم دیوبند کے منتظمین کی طرف سے) خط جو آپ کے پاس گیا تھا، اس میں یہ ضعیف بھی واقعی شریک تھا۔ آپ کا خیال درست ہے۔ اوّل اپنا پریشان خیال آپ پر ظاہر کرتا ہوں۔ پھر استفسار کا جواب عرض کرتا ہوں:

(1) آپ کو معلوم ہے کہ میں بوڑھا ہوگیا ہوں۔ عالمِ شہود (دنیا) سے دُور، برزخ سے قریب ہو رہا ہوں۔ اتنا فکر ضرور ہے کہ استاذ (حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی) رحمۃ اللہ علیہ سے **بِفضلِ اللّٰہ** اگر **مُشافَہَۃً** (آمنے سامنے ملاقات) کی نوبت آگئی اور (انھوں نے) پوچھا کہ: ''کہو! مدرسہ کس پر چھوڑا اور کس حالت میں ہے؟'' تو اس کا جواب ایسا دے سکوں کہ پسندِ خاطرِ حضرت (نانوتویؒ) ہو۔ اس کی تدبیر کوئی نہیں، مگر یہ کہ اپنے مخلصین صلحائے لائق کے نام گنوا دوں۔

(2) سو آپ کی طرف بھی بہ چند وجوہ میرا خیال ضرور جاتا ہے اور چاہتا ہوں کہ آپ جیسے چند ''اصغر'' مگر حقیقت میں مفید اور ''اکبر'' کو کسی بہانے سے اِحاطۂ مدرسہ (دارالعلوم دیوبند) میں آنکھوں سے دیکھ لوں۔

(3) آپ نے جو دو صورتیں تحریر فرمائی ہیں، **باللّٰہ العظیم** (اللہ عظیم کی قسم)! ہرگز اس کو پسند نہیں کرتا ہوں کہ آپ مشغلۂ تدریس سے یکسو ہوں، بلکہ چاہتا ہوں کہ مشغلۂ تدریس حالتِ موجودہ سے زائد نصیب ہو۔ میں تو آپ کے جلد بلانے کے لیے تدبیرِ موجودہ کو دراصل پسند کرتا ہوں۔ یہ ہرگز مطلب نہیں کہ سیّد صاحب مشغلۂ علمی سے یکسو ہوکر رسالہ بازی میں عمر صرف کریں، البتہ یہ ضرور ہے کہ سرِدست رسالہ (''القاسم'') کی اَگاڑی (ابتدائی مراحل) سنبھالنے کو کوئی لائق **مُعتمَد علیہ** (اعتماد کے لائق کوئی) شخص ہو۔ کچھ عرصے کے بعد رسالے کے لیے اِن شاء اللہ بہت پیدا ہوجاویں گے۔

اس وقت رسالے کی ابتدا اگر ہماری طرز و وضع اور خیال کے خلاف پڑ گئی تو اندیشہ کی بات ہے۔ اس وجہ سے بے شک یہ مستحسن نظر آیا کہ مکرم سیّد کو ''رسال دار'' **بالفعل** (عملاً) بنایا جاوے۔ اس لیے اپنا خیال عرض کرتا ہوں، حکم ہرگز نہیں۔

(4) آپ کو پسند اور بے تکلف گوارا ہو تو **سبحان اللّٰہ**! ورنہ جو آپ کو منظور ہو، ہم کو منظور ہوگا۔ اور آپ سے بہ خدا کوئی خلجان یا ملال کا واہمہ (وہم و خیال) بھی اِن شاء اللہ نہ ہوگا۔ وہ یہ ہے کہ آپ بالکل اپنے مدرسہ (دارالعلوم دیوبند) کے احاطے کے اندر اللہ کا نام لے کر آجائیں اور آہستہ آہستہ کام کیے جائیں۔ اِن شاء اللہ آپ کے شغلِ تدریس کی ہر طرح سے کوشش کی جائے گی کہ قصور (کمی) نہ آوے۔ اور یہ ''شیخ چلّی'' (خود حضرت شیخ الہند) کا خیال اگر اعتماد کے قابل نہ ہو تو ۲/ ماہ سے

لے کر ٦/ ماہ تک کی رخصت لے کر تشریف لا کر رسالہ (''القاسم'') کو ہمارے کہنے کے مطابق جاری فرما جائیں۔

(5) اس کے بعد جو صورت آپ پسند فرمائیں، اس کے کرنے میں ہم آپ کی موافقت، بلکہ متابعت خوشی کے ساتھ کرنے کو موجود ہیں۔ ان چند روزوں میں جو آپ کو رسالے کے متعلق تحریرات کی نوبت آئے گی، اس کا حساب کیا جائے گا کہ اتنی مدت کی تالیفات جونپور سے زائد ہوں گی یا کم۔ سو یہ میرا خبط (شوق) ہے جو خیال کے قابل نہیں۔

میں خوب جانتا ہوں کہ یہاں آپ کسی عنوان سے آئیں، مگر غالباً وہ آزادی اور استقلال (مستقل کام)— جو جونپور میں ہے— آپ کو بہ وجوہِ مختلفہ میسر نہ ہوگا۔ مگر کیا کروں اپنے خیالِ خام کی وجہ سے جیسا خود مُقیَّد (پابند) ہوں، اپنے لائق مخلصین کو بھی مُقیَّد (پابند) کرنے کا شوق ہوتا ہے۔

آپ بالکل مدرسہ اور خدامِ مدرسہ (دارالعلوم دیوبند) کے خیراندیش اور بہی خواہ ہیں اور ہم خدامِ مدرسہ بالکل آپ کے خیر طلب اور دعا گو ہیں۔ خط (خود) آپ ہی ختم (مکمل) ہوگیا، کاغذ ہی نہیں رہا۔

والسلام مع الاکرام

مکتوب (12/6)

سند تحریر کردہ حضرت شیخ الہند

بنام حضرت مولانا میاں سیّد اصغر حسین

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

نحمده و نصلّی علی رسوله الكريم!

و بعد! فإنّ السّيّد الجليل المولوی اصغر حسين قد قرء و سمع عندی الصّحيحين للبخاری، و المسلم، و جامع التّرمذی، و سنن ابی داؤد — رحمهم اللّٰه تعالٰی — .

فأنا أُجيزه لجميع الكتب من الصّحاح السّتّة، و أُجيزه ايضاً لمشكوٰة المصابيح و لمعانی الآثار للإمام الطّحاوی، فإنّه أهلٌ عندی لهٰذا الشّان.

و أدعو له بالخير من اللّٰه العظيم، و أرجو أن لا ينسانی فی دعواته الصّالحة.

و اللّٰه الموفّق و المعين.

العبد

محمود عفی عنهٗ

۱۳/ ذی قعده ۱۳۳۳ھ (22/ ستمبر 1915ء)

[اُردو ترجمہ]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہم اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتے ہیں اور اُس کے پاک رسولؐ پر درود وسلام بھیجتے ہیں۔

اس کے بعد! بے شک معزز سیّد مولوی اصغر حسین نے میرے پاس امام بخاری اور امام مسلم کی صحیحین (صحیح بخاری اور صحیح مسلم) اور جامع ترمذی اور سنن ابوداوٗد — رحمہم اللہ تعالیٰ — پڑھیں اور سنیں ہیں۔

میں انھیں صحاح ستہ کی تمام کتابوں کی اجازت دیتا ہوں اور انھیں مشکوٰۃ المصابیح اور امام طحاوی کی معانی الآثار کی بھی اجازت دیتا ہوں۔ بے شک میرے نزدیک وہ اس شان اور مرتبے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

میں ان کے لیے اللہ عظیم سے خیر کی دعا مانگتا ہوں اور یہ اُمید رکھتا ہوں کہ وہ مجھے اپنی نیک دعاؤں میں نہیں بھولیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا اور مدد کرنے والا ہے۔

بندہ محمود عفی عنہٗ

۱۳/ ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ (22/ ستمبر 1915ء) [23]

مکتوب

بنام مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ [24]

مکتوب (13/1)

مدرسہ اسلامیہ دیوبند ۲۱/ شعبان ۱۳۳۱ھ (26/ جولائی 1913ء)

مخدوم ومعظم، محترم ومکرم عمّ فیضہٗ!

بعد سلام مسنون گزارش خدمت بابرکت ہے کہ افتخار نامہ سرمایۂ عزت ہوا۔

''انجمن خدامِ کعبہ'' کے انعقاد اور اس کے مقاصد کا اجمالی علم رکھتا ہوں اور اُس کی نیک کوششوں کا معتقد ہوں۔

جزاکم اللہ خیراً.

بندہ کو یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ جناب نے اُس کے اغراض سے مطلع فرمانے کی غرض سے (دیوبند کے سفر کی) تکلیف بھی فرمائی تھی، مگر اپنی غیر حاضری کی وجہ سے تفصیلی علم حاصل کرنے سے معذور رہا۔

بنا بریں ضرورت ہے کہ بندہ جناب سے نیاز حاصل کر کے اوّل تفصیلی کوائف معلوم کرے۔ اس کے بعد کوئی رائے عرض کرے۔ مجھے امید ہے کہ ابھی جناب میری نسبت کوئی فیصلہ نہ فرماویں گے۔ اس کے علاوہ یہاں کے مدرسہ وغیرہ کے تعلقات اور

اُن کے سوائے اَور بھی بعض امور پیشِ نظر ہیں، جو عجب نہیں کہ خیالِ شرکت کے مزاحم ہوں۔

بہرحال اوّل ملاقات ضروری ہے۔ بندہ خود حاضر ہونے یا جناب کو تکلیفِ سفر دینے میں جلدی کرتا، مگر معذوری یہ ہے کہ چند سفر ضروری درپیش ہیں۔ اُن سے فارغ ہونے کے بعد اس کے متعلق عرض کروں گا۔ اِن شاء اللہ تعالیٰ!

والسلام　بندہ محمود　دیوبند　دوشنبہ

مکتوبات

بنام مولانا حاجی محمد احمد بزرگ سورتیؒ (25)

مکتوب (14/1)

أخی فی دین اللّٰہ الأوحد

(اللہ وحدہٗ کے دین میں میرے بھائی)

رزقکم اللّٰہ عِلماً نافعاً و عَملاً متقبّلاً

(اللہ تعالیٰ تمھیں علمِ نافع اور مقبول عمل عطا فرمائے)

احقر محمود سلام مسنون کے بعد ملتمس ہے۔

آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ خیریت معلوم ہو کر اطمینان ہوا اور (حرمین شریفین کے) عزمِ سفرِ مبارک سے مسرت ہوئی۔ حق سبحانہٗ آپ کو بہ خیر لاوے اور قبول فرماوے۔

(حرمین شریفین کی خصوصیات اور آداب)

وہاں کی خصوصیات سے یہ بات ہے کہ:

(1)　مکہ میں حرم شریف کی نماز با جماعت کا پورا اِلتزام کیا جاوے۔

(2)　اور وہاں کی حاضری اور کثرتِ طواف جدوجہد کے ساتھ کی جاوے۔

(3)　اور مسجدِ نبویؐ کی بھی جماعت اور حاضری میں اہتمام ہو۔

(4)　اور روضۂ مطہرہ کے سامنے جس قدر ہو سکے، حاضر رہنا اور وہاں بیٹھنا نعمتِ کبریٰ سمجھا جاوے۔

(5)　مگر جس قدر (روضۂ مطہرہ کے سامنے) بیٹھنا ہو:

(الف)　غایت تعظیم وحرمت (انتہا درجے کی عظمت اور حرمت کا لحاظ رکھا جائے)

(ب)　اور توجہِ تام (پوری توجہ کا خوب اہتمام کیا جائے)

(ج) اور شوق وخشوع (ذوق وشوق اور عجز وانکساری) کے ساتھ ہو۔

(سفر کے آداب)

باقی:

(1) سفر میں اپنے کام میں مستعد اور ہوشیاری سے رہنا چاہیے۔

(2) جس (آدمی) پر اطمینان نہ ہو، اس کی شرکت سے اجتناب بہتر ہے۔

(3) اگر سفر میں کسی قسم کی تشویش یا تکلیف پیش آوے تو گھبرانا نہ چاہیے، بلکہ اس تکلیف کو بھی شوق ومحبت کے ساتھ برداشت کرنا چاہیے۔ ''**حُفَّتِ الجَنّةُ بالمَكارِهِ**'' (جنت تکلیفوں سے گھیر دی گئی ہے)۔[26]

(4) ہر ایک حالتِ **عُسر و یُسر** (تنگی اور آسانی کی ہر ایک حالت) میں اللہ پر اعتماد ہو۔ کسی سے کچھ توقع نہ کی جاوے۔

مکہ مکرمہ میں کوئی شخص جس کو خط لکھوں یاد نہیں آتا اور مدینہ طیبہ میں مولوی حسین احمد (مدنی) صاحب اور ان کے ہر دو بھائی موجود ہیں۔ وہ اِن شاء اللہ آپ کی رفاقت کریں گے۔ ان کو خط کی حاجت نہیں اور ان سے جو حاجت ہو، بے تکلف فرماویں۔ وہ تعمیل کریں گے۔ اور میرا سلام بھی ان کی اور ان کے والد ماجد کی خدمت میں عرض کر دینا۔

آپ کے خوابِ اوّل کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ:

بإذنِ الله (اللہ کے حکم سے) عالَم میں اسلام کو فروغ ہو اور انوارِ سنت عالَم میں جلوہ گر ہوں۔ **و الله أعلم !**

بندۂ حقیر آپ کے مطالبِ دارین (دونوں جہانوں کے مقاصد) کے لیے دعا کرتا ہے اور اِن شاء اللہ کرتا رہے گا۔

وَ هُوَ مَعَكُمۡ اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ (اور وہ تمھارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو)[27]۔ والسلام فقط

مواقعِ متبرکہ اور اوقاتِ مخصوصہ میں بندہ کو دعائے خیر سے گاہ گاہ یاد کر لیا جاوے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ (بے شک اللہ نہیں ضائع کرتا حق نیکی کرنے والوں کا)[28]۔

مولانا مسعود احمد صاحب (صاحبزادہ حضرت اقدس گنگوہی) خیریت سے ہیں۔

مدرسۂ دیوبند میں خیریت ہے۔ **و الحَمدُ لِله !**

مکتوب (15/2)

برادرِ مکرم!

بارک الله فیکم و علیکم

بندہ محمود سلام مسنون کے بعد ملتمس ہے۔

مولوی کفایت اللہ صاحب کے خط سے آپ کی (حرمین شریفین) تشریف بری کی خبر معلوم ہوئی تھی۔

خط لکھنے کا ارادہ کرتا تھا، مگر پورا پتہ معلوم نہ تھا۔ الحمدللہ! آپ کے خط سے خیریت اور دیگر حالات معلوم ہو کر اطمینان ہوا۔ بہ

خیر و خوبی اس سفرِ مبارک طویل کا انجام پذیر ہوجانا حق تعالیٰ کا انعام ہے۔

فلہُ الحمدُ و المِنّۃ ! (اُسی اللہ کے لیے سب تعریفیں ہیں اور اُسی کا احسان ہے)۔

بچے کے انتقال سے افسوس ہوا، مگر کچھ مضائقہ نہیں۔ آپ کا ''فرطِ خیر'' (بھلائی کا ذخیرہ) (29) مکہ میں رہا، جس سے خیر و فلاح کی توقع ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرماوے۔ آمین!

اللہ کے فضل سے جب آپ کو اس وقت فراغت ہے تو ضرور جم کر کسی کارِ خیر میں لگ جائیں۔ حیاتِ دُنیوی کا کچھ اعتبار نہیں۔ آدمی سے جو کچھ ہوسکے، اس میں دیر نہ کرے (بقول مرزا عبدالقادر بیدل): ؎

اے زِ غفلت بے خبر! در ہر چہ باشی زود باش (30)

(اے غفلت کی وجہ سے بے خبر انسان! جو کچھ کرنا چاہتا ہے، جلدی کرلے)

مگر آپ تمام جوانب (پہلوؤں) پر نظر ڈال کر یہ طے کرلیں کہ مقام (ٹھہرنا) کہاں مناسب اور سہل ہوگا۔ چوں کہ اہلیہ بھی معیت میں ہیں، اس لیے تــأمُّــل (سوچ و بچار) کرلینا بہتر ہے۔ وطن میں سہولت ہوتی ہے۔ عورات اور اَطفال (عورتوں اور بچوں) کو باہر رہنے میں دِقت ہوتی ہے۔ آپ تو یہاں رہے ہوئے ہیں۔ آپ کو اِن شاء اللہ پریشانی نہ ہوگی۔

بہتر ہو جو آپ ایک دو مرتبہ استخارہ بھی کرلیں اور پھر جو رائے ہو، اس کو قائم کریں۔ یہ بھی خیال کرلیجیے کہ وہاں کے قیام میں وہاں کے لوگوں کو ہدایت ہوجانے کی توقع ہے۔ اور بدعات میں اور لوگوں کی جہالت میں کمی ہونے کی امید ہوسکتی ہے۔ اتنے میں آپ بہنوں کے عقد سے فارغ ہوں۔ اس عرصے میں ان امور کو بہ اطمینان طے فرمالیویں۔

آپ کی تحریر کے موافق دربارۂ طلبی ایک تحریر روانہ کیے دیتا ہوں۔ آپ جملہ جوانب سے مطمئن ہوکر اگر یہاں آنے کی ہی رائے قائم ہوجاوے تو اس تحریر کو دکھلا دیں۔

تازہ سانحہ یہ گزرا کہ میری بڑی لڑکی عوارضِ اسقاط میں انتقال کرگئی۔ (31) آپ اس کی مغفرت کی دعا ضرور فرماویں۔

یہ امر بھی ملحوظ رہے آپ کے قیام کی وَجہ سے وہاں کے مدرسے میں کسی حد تک ترقی ہوسکے گی۔

ایک صورت یہ بھی ہے کہ آپ برس روز چھ مہینے کے لیے آجاویں اور اس کے بعد وطن چلے جاویں اور پھر وہاں کی باتوں کو انجام دیں۔ بہرحال جو صورت مناسب اور مفید تر نظر آوے، اسے معین فرماویں۔ و اللّٰہ ولیّ التّوفیق!

والسلام فقط بندہ محمود عفی عنہٗ جمعہ

مکتوب (16/3)

(رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ / ستمبر 1913ء)

برادرِ معظم!

أکرمکم اللّٰہ و سلّم

بندہ محمود سلام مسنون کے بعد ملتمس ہے۔

عرصے کے بعد آپ کا عنایت نامہ صادر ہوا۔ آپ کی خیریت معلوم ہوکر مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خیریت کے ساتھ اپنی

مرضیات کی توفیق روز افزوں عنایت فرماوے۔

(آدمی کے لیے لازمی کام)

آدمی کو لازمی ہے کہ:

(1) وقت کو ضائع نہ کرے۔

(2) اپنی وسعت کے موافق نیک خیال میں لگا رہے۔

(3) اور جہاں رہے، ہر وقت مفید کام سے غافل نہ ہو۔

بندہ بھی بحمداللہ خیریت سے ہے اور مدرسے (دارالعلوم دیوبند) میں بھی سب خیریت سے ہیں۔

(خوابوں کی تعبیرات)

خواب مبارک ومفید ہیں:

(1) اوّل خواب میں اس امر کی ہدایت معلوم ہوتی ہے کہ:
آدمی کو صرف اپنے نفع پر اکتفا نہ کرنا چاہیے، بلکہ خلق اللہ کی نفع رسانی ہر امرِ خیر میں ملحوظ رہے۔

(2) خوابِ دوم میں اس امر کی طرف تنبیہ ہے کہ:
جملہ مرغوباتِ نفس (نفس کے پسندیدہ اُمور) صرف زندگی تک نظر آتے ہیں۔ بعد حیات (اس زندگی کے بعد) کارآمد نہیں۔ آدمی کو ایسے کاموں کی طرف متوجہ ہوجانا چاہیے، جو بعد میں کام آویں۔

(3) تیسرے خواب میں اس کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ:
بحمداللہ! آپ کی طلب مقبول اور آپ کی دوستی اور تربیت اور اصلاح عنداللہ ملحوظ (اللہ تعالیٰ کے ہاں قابلِ لحاظ) ہے اور آپ کو کسی مقبول بندہ سے نفع پہنچے گا۔

(امام ابوابراہیم اسماعیل بن یحییٰ) مُـزَنـیؒ (م:۲۶۴ھ/878ء) حضرت امام (محمد بن اِدریس) شافعیؒ (م:۲۰۴ھ/820) کے بلاواسطہ شاگردِ رشید اور غالبًا امام طحاویؒ (م:۳۲۱ھ/933ء) کے ماموں ہیں۔ اکابر علما اور مشاہیر میں سے ہیں۔ رحمۃُ اللّٰہ علیہ۔[32] باقی خیریت ہے۔ والسلام فقط

مولوی حسین احمد (مدنی) صاحب دیوبند میں مقیم ہیں۔ بعد رمضان عزم مدینہ طیبہ مصمم رکھتے ہیں۔[33]

بندہ محمود عفی عنہٗ یک شنبہ

مکتوب (17/4)

(ذی الحج ۱۳۳۱ھ/نومبر 1913)

مخدوم بندہ

دام فضلکم

بندہ محمود سلام مسنون کے بعد ملتمس ہے۔

ذی قعدہ (۱۳۳۱ھ / اکتوبر 1913) کے آخیر میں آپ کا گرامی نامہ مع بلٹی پہنچا تھا۔

بندہ گنگوہ وغیرہ چلا گیا۔ جواب میں اس لیے تساہل ہو گیا۔

لیموں اور ادرک بجنسہٖ پہنچ گئی۔ مفتی (غالبًا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی) صاحب، مہتمم (مولانا محمد احمد) صاحب اور بعض حاجیوں کو بھی پہنچا دیا گیا۔ لیموں بہت بڑے تھے اور ادرک تازہ عمدہ۔

باقی بندہ بحمداللہ خیریت سے ہے۔ اور مدرسہ میں بہ ہمہ وجوہ خیریت ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خیریت سے رکھے اور فلاحِ دارین عطا فرماوے۔

مولوی محمد شفیع صاحب سے سلام فرما دیجیے۔

مولوی حسین احمد صاحب کی مکہ سے خیریت آ گئی۔ مدینہ طیبہ سے کوئی خط نہیں آیا۔ ڈاک بھی بند معلوم ہوتی ہے۔ حرب و ضرب کا طول بڑھتا جاتا ہے۔ تشویش میں ترقی ہے۔ اللہ تعالیٰ انجام بہ خیر کرے۔

مولوی محمد میاں (منصور انصاری) دیوبند میں ہیں۔ خیریت سے ہیں۔ بعض تدابیر میں مشغول ہیں۔ مقدمہ کے لیے روپیہ کی بھی فکر میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کامیاب فرماوے۔

اپنے اَوراد اِلتزام (اَوراد و وظائف پابندی) سے کیے جائیں۔ حق سبحانہ استقامت نصیب کرے۔

مولوی عزیر گل گھر گئے ہیں۔

مولوی خان محمد صاحب خیریت سے ہیں۔ ان کا سلام قبول ہو۔ اپنی خیریت سے مطلع فرماتے رہیے۔

والسلام فقط بندہ محمود عفی عنہٗ شنبہ

مکتوب (18/5)

(ستمبر 1915ء)

مکرم بندہ!

السّلام علیکم

آپ کا خط اس وقت ملا جب کہ میں (حجاز جانے کے لیے بمبئی میں) جہاز پر سوار ہونے کے لیے لبِ دریا پڑا ہوں۔

اس وقت (حدیث کی) سند لکھنے سے مجبور ہوں۔ اِن شاء اللہ دوسرے وقت لکھ دوں گا۔

آپ کی ہمشیرہ خدیجہ اور عائشہ اور جو (کوئی بیعت کی) درخواست کریں اور آپ مناسب سمجھیں، ان کی بیعت قبول کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ برکت دے۔ سب کو:

(1) صبح و شام کو وظیفہ مع تاکید نماز وغیرہ فرما دیجیے۔

(2) **سعی فی الدّین** (دین کے غلبے کی جدوجہد) کا خیال رہے۔ اللہ مددگار رہے۔

www.rahimia.org

آپ کے لیے اِن شاءاللہ دعا کرتا رہوں گا۔آپ بھی دعا فرماتے رہیں۔اور سب سے سلام فرما دیجیے۔

والسلام فقط بندہ محمود عفی عنہٗ بمبئی۔شنبہ

مکتوب (19/6)

۲۸/ذی قعدہ ۱۳۳۶ھ (4/ستمبر 1918ء)

برادرِ مکرم ومحترم!

مدّ فُیوضکم

السّلام علیکم و رحمة اللّٰه

آپ کا محبت نامہ ۱۴/صفر (۱۳۳۶ھ / 29/نومبر 1917ء) کا آٹھ نو ماہ کے بعد ذی قعدہ (۱۳۳۶ھ / ستمبر 1918ء) کے شروع میں مجھ کو ملا۔ بہت ہی مسرت ہوئی۔

آپ کی یادآوری کا ممنون اور آپ کی خیریت معلوم ہونے سے مسرور ہوں۔ **الحمد للّٰه!**

بخاری شریف، ہدایہ وغیرہ کتب کی تدریس سے بہت خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علم وعمل میں برکت دے اور اپنے بندوں کو آپ کے فیض سے مستفیض فرماوے۔

یہ عاجز حق سبحانہٗ تعالیٰ کی دعا سے مع جملہ رفقا بہ ہمہ وجوہ خیریت سے ہیں۔

مولوی حسین احمد صاحب مدنی، وحید احمد، اِن کا برادر زادہ، مولوی عزیر گل، مولوی حکیم نصرت حسین، یہ چار حضرات میرے ساتھ ہیں۔سب خیریت سے ہیں اور سلام مسنون عرض کرتے ہیں۔

جس کاغذ پر یہ خط لکھ رہا ہوں، انھیں پر خط لکھنے کی اجازت ہے۔اس لیے سندِ حدیث (کسی اچھے کاغذ پر لکھ کر) اس وقت ارسال کرنے کا موقع نہیں۔ خدائے تعالیٰ کو منظور ہے تو دوسرے وقت آپ کے فرمانے کی تعمیل ہوجائے گی۔آپ طلبا کو سند دیجیے۔اس میں تامل نہ فرمائیں۔

(حضرت شیخ الہندؒ کی سندِ حدیث)

بندہ کی سند یہ ہے کہ:

(1) بندہ کو حضرت مولانا محمد قاسم (نانوتوی) رحمۃ اللہ سے،

(2) ان کو حضرت شاہ عبدالغنی مہاجر مدنیؒ اور مولانا احمد علی صاحب سہارن پوریؒ سے،

(3) ان دونوں حضرات کو حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ سے،

(4) ان کو حضرت شاہ عبدالعزیز (دہلویؒ) سے،

(5) ان کو اپنے والد حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے — **رحمهم اللّٰه عليهم اجمعين** —

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی سند (اُن کی) کتابوں (''الإرشاد إلیٰ مہمّات الأسناد'' وغیرہ) میں اور علما میں مشہور ہے۔ اس کے لکھنے کی حاجت نہیں۔

آپ احقر کے لیے دعائے عافیتِ دارین فرماتے رہیں۔ بندہ بھی آپ کے لیے دعا کرتا ہے۔

تولُّدِ فرزند (غالبًا مولانا محمد سعید بزرگ کی پیدائش) سے خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ عمر اور سعادتِ دارین عطا فرماوے۔

ایک تعویذ لکھتا ہوں۔ اس کو لکھ کر عزیز معصوم کے گلے میں ڈال دینا:

''بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم. أعوذ بکلمات اللّٰہ التّامّة من شرّ کلّ شیطانٍ و ھامة و عین لامّة تحصنت تحصن ألف ألف لا حول و لا قوّة إلّا باللّٰہ العلیّ العظیم.''

اصحابِ سُورت (گجرات) خدا کرے سب خیریت سے ہوں۔ سب کی خدمت میں سلام مسنون پہنچا دیجیے۔

والسلام مع الإکرام بندہ محمود حسن

مالطہ۔ سینٹ کلیمنٹ براکس [34]

۲۸/ ذی قعدہ ۱۳۳۶ھ (4/ستمبر 1918ء) (نمبر) ۲۲۱۹ [35]

- -

مکتوبات

بنام

مولانا حکیم محمد حسنؒ [36]

مکتوب (20/1)

۱۲/ من ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ (6/ جنوری 1917ء)

من قاھرة مصر، المعتقل السّیاسی بجیزہ

إلیٰ جناب الأخ السّعید المولوی الحکیم محمدحسن

سلّمهُ اللّٰہ تعالیٰ، آمین!

بعد مزید، السّلام علیکم و علیٰ سائر الأھل، و الأولاد، و الأقارب، و الدّعوات الصّالحة لھم.

فاعلموا! أنّی مع الرُّفَقة بکلّ خیر و سلامة، و أرجو من فضل اللّٰہ أن تکونوا بصحّة تامّة و عافیة کاملة، فینبغی لکم أن تکونوا علیٰ طمانیة کاملة من جھتی، و من جھة الرُّفَقة.

عسَـى اللّٰـه أن يـجـمـعـنـا جـمـيـعاً بأيسر أحوال و أسرع زمانٍ، و سلّموا إلٰى سائر الأهل و الأقارب و الأحباب.

و مـن هٰهـنا يسلِّمُ عليكم حُسين أحمد، و المولوى عُزير گل، و وحيد احمد، و المولوى حكيم نُصرة حسين صاحب. و أخبرونا من صحتكم.

هٰذا و السّلام ختاماً.

تحريراً فى ۱۲/ من ربيع الآخر ۱۳۳۵ھـ (6/ جنورى 1917ء)

و سـلّـمـوا مـنّـا عـلٰـى سـائـر أهل المدرسة و الأحباب، و طمّنوا خواطرهم، و لا تنسونا من الدّعوات الصّالحة. محمود حسن عفى عنهٗ

[اُردو ترجمہ]

۱۲/ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ (6/جنوری 1917ء)

سیاسی جیل، جیزہ، قاہرہ، مصر سے
نیک بخت بھائی جناب مولوی حکیم محمد حسن سلّمہٗ اللہ تعالٰی کے نام
السلام علیکم کے بعد!

مزید یہ کہ تمام گھر والوں، اولاد اور رشتہ داروں کو سلام اور تمام کے لیے نیک دعاؤں کے ساتھ عرض ہے کہ میں اپنے رُفقا کے ساتھ ہر طرح خیریت اور سلامتی سے ہوں اور اللہ کے فضل سے یہ اُمید رکھتا ہوں کہ تم لوگ بھی پوری صحت اور مکمل عافیت کے ساتھ ہوں گے۔ تمھارے لیے مناسب یہ ہے کہ میری طرف سے اور میرے رُفقا کی طرف سے پورا اِطمینان رکھو۔

عنقریب اللہ تعالٰی ہم تمام کو اچھے حالات میں جمع کرے گا۔ اور تمام گھر والوں، رشتہ داروں اور دوستوں کو سلام عرض کر دینا۔

یہاں سے تمھیں (مولانا) حسین احمد (مدنی)، مولوی عزیر گل اور وحید احمد اور مولوی حکیم نصرت حسین صاحب سلام کہتے ہیں۔ تم ہمیں اپنی صحت سے متعلق مطلع کرو۔ آخر میں تمام کے لیے السلام علیکم۔

تحریر کردہ: ۱۲/ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ (6/جنوری 1917ء)

ہماری طرف سے تمام اہلِ مدرسہ اور دوست احباب کو سلام کہیں اور وہ اطمینانِ خاطر رکھیں اور ہمیں اپنی نیک دعاؤں میں نہ بھولیں۔ محمود حسن عفی عنہٗ''

مکتوب (21/2)

الحمد للّٰه ربّ العالمين، و العاقبة للمتّقين

أخ معظم ! أكرمكم الله و سلّم

کل انتظارِ مدید (لمبے انتظار) کے بعد آپ کا خط ساتویں جمادیٰ الاوّل (۱۳۳۵ھ / یکم/ مارچ 1917ء) کو لکھا ہوا ہم کو مالٹا میں ملا۔ سب کی خیریت مجمل معلوم ہو کر مسرت ہوئی۔ الحمدللہ! عزیز مسعود کے بعد چھ ماہ میں آپ کا خط آیا۔ بہت غنیمت معلوم ہوا۔ بہ قول شخصے ؎

یوں اسیرانِ قفس تک پہنچا کوئی گُلِ برگ
جیسے غربت میں شفیقانِ وطن کا کاغذ [37]

چند خطوط میں نے اور بعض رُفقا نے اَور بھی روانہ کیے ہیں۔ غالبًا پہنچے ہوں گے۔

بالجملہ! ہم سب بحمداللہ خیریت سے ہیں اور راحت سے ہیں۔

آپ کو خط (تحریر کردہ ۱۲/ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ / 6/ جنوری 1917ء) لکھنے کے پندرہ بیس روز بعد (۲۴/ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ / 16/ فروری 1917ء کو) یہ ہوا کہ ہم لوگ مصر سے (روانہ ہو کر) کچھ ترقی کر کے (۲۹/ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ / 21/ فروری 1917ء کو[38]) مالٹا آ گئے۔ مسافت تو کچھ بڑھ گئی، مگر تکلیف کچھ نہیں، بلکہ یہاں راحت زیادہ ہے۔

الحمدللہ! گو اس عرصے میں حالاتِ وطن سے بے خبری رہی، مگر دُور دراز کے وہ حالات معلوم ہوئے، جو خواب میں بھی نہ دیکھے تھے۔

آدمی جب تک زندہ ہے، حرکتِ زمانی (زمانے کی حرکت) تو کسی وقت رُکتی نہیں، مگر حرکتِ زمانی اور مکانی (زمانے کا تغیر اور مقام کی تبدیلی) دونوں مل کر بہت سے انکشافاتِ جدیدہ کی موجب ہو گئیں۔ ؎

ستُبدی لک الأيّام ما کنت جاهلاً
و يأتيک بالأخبار مَن لم تزوّدِ [39]

(عنقریب زمانہ تمھارے سامنے ایسی باتیں ظاہر کرے گا، جن سے تم پہلے جاہل تھے
اور تمھارے سامنے ایسا آدمی خبریں لائے گا، جسے تم نے کوئی زادِ راہ بھی نہیں دیا ہوگا)

متعدد اسباق و دیگر مشاغل میں (زندگی) اچھی طرح گزر رہی ہے۔

ادھر ''وَ تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ''[40] (اور تم کو اللہ سے اُمید ہے جو اُن کو نہیں) کا مبارک سلسلہ بھی ایسا نہیں کہ جو کسی وقت منقطع ہو جائے۔ الحمدُ لِله ثمّ الحمدُ لِله !

گھر میں سب کو اور مکان میں بچوں کو سلام کہہ دینا۔ فقط والسلام بندہ محمود عفی عنہٗ ۲۲۱۹

- -

www.fahimia.org

مکتوب

بنام نواب رشید الدین خاںؒ [41]

مکتوب (22/1)

عزیزم عالی قدر والا شان !

دام لطفُکم

السّلام علیکم و رحمۃ اللّٰہ و برکاتہٗ

بندہ مع جملہ رفقائے کرام اللہ کے فضل اور احباب کی دعا سے اس **بعید و بغیض دیار** (اس دور اُفتادہ اور ناپسندیدہ ملک) میں خیریت اور عافیت سے ہے۔ **و الحمد للّٰہ ثمّ الحمد للّٰہ !**

مختلف اصحاب کے خطوط بندہ کے پاس آتے رہتے ہیں، جن سے مکرمین اصحاب کی خیریت معلوم ہوتی رہتی ہے، مگر مرادآباد سے کسی صاحب کا کوئی خط نہیں آیا اور نہ کسی نے اپنے خط میں ان کی خیریت تحریر کی۔ اس لیے آپ حضرات کی خیریت معلوم ہونے کا بہت انتظار رہتا ہے۔ مجبور ہو کر آپ کو تکلیف دیتا ہوں۔

دیوبند سے برابر خطوط آتے رہتے ہیں، مگر کسی نے آپ صاحبوں کا کچھ تذکرہ نہیں کیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غالبًا یہاں سے کوئی دیوبند نہیں گیا۔

چند ماہ گزرے ایک خط ہندوستان سے میرے پاس پہنچا۔ خط اور طرزِ تحریر نیا تھا۔ شبہ ہوا کہ یہ خط کسی صاحب نے مرادآباد سے بھیجا ہے، مگر کوئی امر یقین دلانے والا نہ تھا۔ اور بہرحال اب آپ کو لکھتا ہوں کہ اپنی اور اپنے جمیع متعلقین کی خیریت سے مطلع فرمائیں اور سب کی خدمات میں درجہ بہ درجہ سلام مسنون فرماویں۔

رضا و شجاع [42] کیا پڑھتے ہیں؟ خدا کرے خیریت سے ہوں۔

مدرسۃُ الغربا (مدرسہ شاہی مرادآباد) میں مہتمم [43] اور اساتذہ کی خدمت میں سلام۔

مدرسہ اِمدادیہ (مرادآباد) میں اگر کوئی مدرّس بندہ کے واقف بھی ہوں اور بندہ کے یاد دلانے سے سمجھ بھی جائیں تو سلام عرض کر دینا۔ اور جملہ واقفین میں جس کو چاہو، سلام پہنچا دینا۔

میرے رفقا آپ کی اور سب کی خدمت میں سلام عرض کرتے ہیں۔

والسلام فقط محمود حسن نمبر ۲۲۱۹
ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ (18/ستمبر تا 16/اکتوبر 1917ء)
مالٹا۔ سینٹ کلیمنٹ براکس

- -

مکتوبات

بنام حافظ زاہد حسین امروہویؒ (44)

مکتوب (23/1)

(از مالٹا) (۲۹ رمحرم ۱۳۳۷ھ / 4 نومبر 1918ء)

هو الرّحمٰن الرّحيم

سراپا فضل و کرم!

دام لُطفکم

السّلام عليكم و رحمة الله

عنایت نامہ سراپا شادمانی ہوا۔ جناب کی یاد آوری کا مشکور ہوں۔ اور اس پر متأسِف (افسوس کرتا) ہوں کہ اس سے پہلے جو آپ نے خطوط بھیجے، قسمت کی نارسائی سے ایک بھی نہیں ملا۔ یہ بات تو ضرور ہے کہ یہ دور اُفتادہ کسی مخلص کو ابتداءً خط لکھنے سے عمداً بھی کچھ روکتا ہے، مگر جس قدر (خط کی) اِبتدا کرنے سے قاصر ہوں، اس سے زیادہ جواب دینے میں چست ہوں۔

خطوط کا حال ایسا ہی ہے، جو مل گیا، مل گیا۔ نہ ملا، نہ ملا۔ چٹنی (اور) چائے بھی اس وقت تک نہیں پہنچی۔

ان مخلصانِ مرادآباد اور مکرمانِ امروہہ شریف کی خدمات میں سلام عرض کر دیجیے۔ جن کو یہ ناکارہ یاد رہ گیا ہو اور جو بھول گئے ہوں، سو خیر۔ بالخصوص مدرّسین امروہہ اور مرادآباد سے ضرور سلام عرض کر دیجیے۔

خوب یاد آیا، سنبھل جناب منشی (حمیدالدین) صاحب (45) کی خدمت میں سلام و نیاز پہنچا دیجیے، اگرچہ ایک کارڈ صَرف ہو۔

خدا کرے آپ سب حضرات خیریت سے ہوں۔ احقر کے پاس کارڈ یا خط بھیجنے میں ٹکٹ لگانا فضول ہے۔

جملہ رُفقا اور ان کے طفیل سے یہ ناکارہ بحمداللہ خیریت اور راحت سے ہیں۔

آپ کی اس موٹی مرادآبادی جائے نماز نے بہت کام دیا۔ آپ کی عنایات کو یاد دلاتی رہتی ہے۔

یہ تو فرمائیں مولانا (احمد حسن امروہوی) مرحوم (46) کے صاحبزادے (قاری سیّد محمد رضوی) کس مشغلے میں ہیں؟ کتبِ ضروریہ سے فارغ بھی ہو چکے؟ اللہ کرے بہ خوبی فارغ ہو کر اپنے مقدس بزرگوار کے پیرو ہوں۔

جملہ رُفقا آپ سب حضرات کو سلام مسنون عرض کرتے ہیں۔

آپ کے کارڈ پر تاریخ نہ تھی، مگر ہم کو اخیر محرم (۱۳۳۷ھ / نومبر 1918ء) میں ملا۔ یہ عریضہ ۲۹ رمحرم کو روانہ کرتا ہوں۔

جناب سیّد صاحب بالا جمال سب جگہ کو خیریت لکھ دیں۔ مناسب ہے۔ سنبھل، بچھرایوں، نگینہ وغیرہ۔

والسلام علیکم محمود حسن نمبر ۲۲۱۹

مالطہ سینٹ براکس ۲۹ رمحرم ۱۳۳۷ھ (4 نومبر 1918ء)

مکتوب (24/2)

(از مالٹا) (۲ر صفر ۱۳۳۸ھ / 26/ اکتوبر 1919ء)

سراپا فضل و کرم!

دام لُطفکم

السّلام علیکم و رحمة اللّٰه

آپ کا گرامی نامہ (تحریر کردہ) ۶ر شعبان (۱۳۳۷ھ / 8/ مئی 1919ء) ہم کو ذی الحجہ (۱۳۳۷ھ / ستمبر 1919ء) میں وصول ہوا۔ ممنون فرمایا۔ آپ کی اور جمیع حضرات امروہہ، مرادآباد، سنبھل، نگینہ، حسن پور، بچھرایوں کی بالاجمال خیریت معلوم ہوئی۔ **الحمد للّٰه و جزاکُمُ اللّٰه!**

مکرما! کیا عرض کروں۔ اس قدر بُعد (دُوری) پر اپنے مکرمین و احباب سے تعلق میں کچھ کمی واقع نہیں ہوئی۔ اس لیے بالاجمال (اجمالی طور پر) بھی خیریت معلوم ہوکر یک گونہ سکون ضرور ہوجاتا ہے۔ اور حوادثِ ہندوستان معلوم ہوکر مکروہ وَ پریشانی ہوتی ہے۔ جب کسی کی خیریت معلوم ہوتی ہے، یک گونہ اطمینان ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو عافیتِ دارین عطا فرمائے۔

اس سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ مُردے کے تعلق سے گو اَحیا (زندوں) کے قلوب میں یکسوئی یا غفلت آجاتی ہے، جیسا کہ مشاہدہ ہے، مگر غالبًا اموات (مُردوں) کے تعلقِ قلبی میں کمی نہیں آتی، گو کسی حال میں ہوں۔ **و اللّٰهُ أعلم!**

جب سے بعض خطوط سے معلوم ہوا ہے کہ مولوی احمد شاہ صاحب بہ وجہ ضعف و مرض ترکِ تعلق کر کے وطن آگئے، بار بار خیال آکر ملال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اور ان بزرگوں کی برکت سے ان کو جملہ افکار و تکالیف سے محفوظ رکھے۔

الحمدُ لِلّٰه! قاضی صاحب بہ خیر اپنے مرکز پر قائم ہوگئے۔ ان کے خط کے جواب میں ایک عریضہ روانہ کیا تھا۔ خدا کرے کہ پہنچ گیا ہو۔

غالبًا آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ رفیقِ جاں نثار مولوی سیّد نصرت حسین بہ (۹ر) ماہ ذی قعدہ (۱۳۳۷ھ / 6/ اگست 1919ء) پیش قدمی کر کے راہیٔ آخرت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ رحمت اور مغفرت فرماوے۔ ان کی والدہ صاحبہ کو اطلاع کر دی تھی۔ کوئی ان کا خط ابھی تک نہیں آیا۔ باقی سب رفیق بہ خیریت ہیں۔ آپ کو اور سب کو سلام عرض کرتے ہیں۔

آپ کی دال اور گوشت کی پارسل سے خوشی ہوئی، مگر اس وقت تک کوئی نہیں پہنچا۔ آپ کو تحریرِ جواب میں بھی اس لیے تاخیر کی کہ پارسل آجاویں تو آپ کو رسید بھی پہنچ جاوے، مگر افسوس ہے کہ اس وقت تک نہیں پہنچا۔

احبابِ مرادآباد کی خدمت میں سلام عرض ہے۔ جو صاحب پارسل بھیجنے کا ارادہ فرماویں، ان کو منع کر دیجیے:

اوّل: تو چنداں حاجت نہیں۔

دوسرے: اس قدر مسافت میں ضائع ہونے کا خطرہ۔

تیسرے: پَینٹھ بچھڑنی (قیدیوں کا بازار اُجڑنا) شروع ہے۔ رفتہ رفتہ متفرق طور پر لوگ جا رہے ہیں۔

سو یہ اِحتمال ہے کہ پارسل کہاں پہنچے؟ مرسل الیہ (جسے بھیجا گیا ہے، پتہ نہیں وہ) کہاں ہو؟

مولوی (مفتی) کفایت اللہ (دہلوی) صاحب سے بعد سلام مسنون فرما دیجیے کہ اپنی سعی کو اس زائد امر میں صَرف نہ فرمائیں۔ اس میں شک نہیں کہ کسی مخلص کا کوئی پارسل آتا ہے تو مسرت ہوتی ہے کہ علامتِ محبت ہے۔ باقی سعی اور ترغیب یقیناً مکروہ معلوم ہونی چاہیے۔ مولوی امین الدین (بانی مدرسہ امینیہ دہلی) و جملہ ان کے مدرّسین کو سلام۔

قاری سیّد محمد (رضوی) صاحب [47] کو سلام مسنون۔ کاش آپ یہ بھی لکھ دیتے کہ کتبِ درسیہ سے فارغ ہوگئے اور اب یہ مشغلہ ہے۔ والسلام فقط

اپنے مدرسے اور دیگر مواقع میں جہاں سلام پہنچا سکیں، پہنچا دیجیے۔

محمود حسن نمبر ۲۲۱۹

مالٹہ سینٹ کلیمنٹ براکس۔ ۲۰/صفر (۱۳۳۸ھ/ 27/اکتوبر 1919ء)

مکتوب

بنام حضرت مولانا حکیم عبدالرشید محمود گنگوہیؒ عرف ''ننھو میاں'' [48]

مکتوب (25/1)

۷/جمادیٰ الاولیٰ ۱۳۳۷ھ (8/فروری 1919ء)

قُرّۃُ العُیُون و القُلوب ، عزیز از جانم !

(آنکھوں اور دِلوں کی ٹھنڈک، مجھے اپنی جان سے بھی عزیز!)

بارک اللّٰہ سبحانہٗ فیکم و علیکم !

(اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ تم پر اپنی برکات نازل کرے!)

خادم ناکارہ مگر قدیم، تسلیم مسنون و دعائے ترقیٔ علم و عمر کے بعد ملتمس ہے۔

آپ کا خط (تحریر کردہ) تیرہ صفر (۱۳۳۷ھ / 18/نومبر 1918ء)، اخیر ربیع الثانی (۱۳۳۷ھ / جنوری 1919ء) میں مجھ کو ملا۔ ایک غیر مترقّبہ (اُمید کے برعکس) نعمت معلوم ہوا۔ اور نصف ملاقات سے بھی زیادہ مسرت بخش محسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی حفاظت میں رکھے اور اپنے اکابر (دادا حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور والدِ گرامی مولانا حکیم مسعود احمد گنگوہی) کا نمونہ اور سچا جانشین کرے۔

وَ مَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ [49] (اور یہ اللہ کو کچھ مشکل نہیں)

پیارے نھو! میرے:

(1) بعض رفیق کہتے ہیں کہ نھو کے قلم سے سطور سیدھی اور حروف ایسے درست ہرگز نہیں نکل سکتے۔ یہ خط کسی دوسرے کا لکھا ہوا ہے۔

(2) بعض کہتے ہیں کہ یہ تو اِن کے ابا جان (مولانا مسعود احمد گنگوہی) کا قلم ہے۔ عمداً کچے خط میں نھو کی طرف سے لکھ دیا ہے۔

(3) میں ان کی تخمین (اندازے کو تسلیم) کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ: ایک موقع پر لفظ ''مُحَرَّم'' پر خط کھینچ کر اُس کے اوپر جو سُرخی سے ''ذی حجّہ'' لکھا ہے، یہ تو اَبا جان کا قلم ہے۔ اس کے سوا اَوّل سے آخر تک میاں نھو کی دست کاری اور گہر اَفشانی ہے۔ **ما شاء اللّٰہ. لا حول و لا قوّۃ إلّا باللّٰہ.**

ابا جان کی خدمت میں عرض ہے کہ اگر میری رائے صحیح ہے تو گستاخی معاف۔

میاں نھو کو و **کالتاً** (وکیل کے طور پر) میری طرف سے انعام دینا لازمی ہے۔ مقدار جناب کی رائے پر موقوف ہے۔ میں زندہ پہنچ گیا تو **مع الزّیادہ** (زیادتی کے ساتھ) مجھ سے وصول کر لیجیے، ورنہ **مدیون** (مقروض) کے ساتھ **دَین** (قرض) کو بھی مردہ سمجھ لیجیے۔

اب سنو! کچھ عرصہ ہوا محمد حنیف (داماد حضرت شیخ الہندؒ) کے خط سے جناب حافظ صاحب کی وفات کا حال معلوم ہو کر خدام کو صدمہ ہوا۔ پھر حافظ عزیز حسین کے خط سے اس کی تصدیق ہوئی۔

اب تمھارے خط سے اس صدمے کے ساتھ عزیزہ مرحومہ کا سانحۂ جاں گزا معلوم ہو کر وہ صدمہ ترقی کر کر کہیں جا پہنچا۔ **اللّٰہ اللّٰہ ! و إنّا لِلّٰہ ! و الکِبرِیاءُ لِلّٰہ !** مجھ کو تو مرحومہ کی شادی کی بھی خبر نہ ہوئی تھی۔ تمھارے خط سے معلوم ہوا کہ شادی اور بیوگی سب ہی سے چند ایام میں مل کر کے اسلاف صالحین کے جوار میں پہنچ گئی۔ واقعی حیات دنیا سے دل کو افسردہ کرنے والا ان واقعات سے زیادہ اَور کوئی امر نہیں۔

دیوبند وغیرہ سے بھی واقعاتِ جدیدہ کی خبریں افسردہ کن، صدمہ رساں معلوم ہوئیں۔

اللّٰھمّ استر عیوبنا و لا تھلکنا بذنوبنا.

(اے اللہ! ہمارے عیبوں کو چھپا لے اور ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہمیں ہلاک مت فرما!)

اس وقت تغیراتِ مختلفہ کا اس قدر ہجوم ہے کہ تمام عالَم میں پریشانی عام ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (50)

(پھیل پڑی ہے خرابی جنگل میں اور دریا میں لوگوں کے ہاتھ کی کمائی سے۔ چکھانا چاہیے ان کو کچھ مزہ ان کے کام کا، تاکہ وہ پھر آئیں۔)

کا پورا منظر سامنے ہے۔ اللہ تعالیٰ (اپنی طرف) رجوع کی توفیق دے۔ ورنہ یہ مصیبت سب سے زاید ہے۔

العیاذ باللّٰہ. اللّٰھمّ ألّف بین قلوبنا.

(اللہ کی پناہ! اے اللہ! ہمارے دلوں میں باہمی محبت پیدا کر دے)

والدین مُمَجَّدَین (بزرگواران) کی خدمت میں اور مخدومہ پھوپھی صاحبہ (صاحبزادیٔ محترمہ حضرت گنگوہیؒ صفیہ خاتون) کی خدمت میں سلام و نیاز عرض کردو اور جملہ مخلصین کی خدمت میں بھی۔

رُفقا بھی خدمت میں سلام عرض کرتے ہیں۔

مولوی محمد صدیق کو بعد سلام معلوم ہو کہ الحمدللہ! آپ خوش قسمتی سے ایک مقدس اِحاطے میں آپہنچے۔ اللہ کا انعام سمجھو اور قدر کرو۔ صلاحیت و اطاعت کو شعار بناؤ۔

مولوی سعید سلّمہٗ (51) کی خدمت میں سلام و نیاز کے بعد عرض ہے کہ چند کتب — جو دینیات کی ہیں — جس طرح ہو سکے، ہمت کر کے ان پر عبور بھی کرلو جیسا پہلے کیا ہے۔ ان سے محرومی محض بڑا ظلم ہے۔

دیوبند یا سہارن پور جہاں چاہو، غایت مافی أصاب (جہاں بھی پہنچو، مقصد پورا ہونا چاہیے)۔

فارغ اوقات میں شکار ہی سہی۔ خوب جانتا ہوں۔ ایک کمزور آواز اور اتنی دور کی کون سنتا ہے، مگر مجبور۔

حافظ محمد یعقوب صاحب (52) کی خدمت میں بھی عریضہ روانہ کرتا ہوں۔

فقط والسلام محمود حسن نمبر ۲۲۱۹

سینٹ کلیمنٹ بیراکس، مالطہ

۷؍ جمادیٰ الاولیٰ ۱۳۳۷ھ (8؍فروری 1919ء)

مکتوب

بنام مولانا عزیزالدین ہوشیارپوریؒ (53)

مکتوب (26/1)

(۲۷؍شوال ۱۳۳۳ھ / 7؍ستمبر 1915ء، سہ شنبہ)

مکرمی سلّمکم اللّٰہ

السّلام علیکم و رحمۃ اللّٰہ

خط پہنچا۔ مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خیریت سے رکھے۔ (حرمین شریفین کے سفر کا) عزمِ روانگی کر رہا ہوں۔ جمعہ، ہفتہ (یکم، ۲؍ ذی القعدہ ۱۳۳۳ھ / 10، 11؍ستمبر 1915ء) تک اللہ کو منظور ہوا تو (دیوبند سے بمبئی کے لیے) روانہ ہو جاؤں گا۔ مولوی کریم بخش اور مولوی محی الدین صاحب، مولوی احمد حسین صاحب، جناب مولوی عبداللہ صاحب، مولوی عبدالعزیز صاحب اور سب حضرات کی خدمت میں سلام مسنون عرض کر دینا۔

والسلام فقط بندہ محمود دیوبند سہ شنبہ (منگل)

www.rahimia.org

بہ مقام قصبہ گلاؤٹھی، ڈاک خانہ خاص

ضلع بلندشہر، مدرسہ عربیہ

طالبِ علم محمد عزیز الدین ہوشیار پوری کو ملے۔

- -

مکتوب

بنام مولانا سعید احمد دیوبندیؒ (54)

مکتوب (27/1)

عزیزم مولوی سعید احمد عرف ''کَلُّو''، سلّمہٗ اللہ

السّلام علیکم و رحمة اللّٰہ

آپ کا خط آیا۔ حالت معلوم ہوئی۔ اس سے پہلے بھی تمھارا خط آیا تھا، جس کا جواب مولوی ہادی حسن صاحب کے ہاتھ روانہ کر چکا ہوں۔ اب تمھارا دوسرا مفصل خط پہنچا۔ پڑھ کر خوشی ہوئی۔

اللہ تعالیٰ تم کو بہ ہمہ وجوہ خیریت سے رکھے اور اپنی محبت وعنایت فرماوے۔ دعا بندہ بھی کرتا ہے۔

(1) جو کام کرتے ہو، اس کو التزام اور شوق واطمینان سے کرو۔

(2) گھبراؤ مت، شوق والتزام کے ساتھ کام کرنا ضروری بات ہے۔

(3) جلدی کرنا اور یہ توقع رکھنا کہ جھٹ پٹ کوئی مقصد حاصل ہوجائے، اس سے بھی نقصان ہوتا ہے۔

(4) بس صرف ذکر اللہ کو مقصود سمجھو اور اللہ کی رحمت سے امید رکھو۔

وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ (اور اللہ نہایت مہربان ہے اپنے بندوں پر) (55)

(5) علم کی خدمت بھی کرتے رہو۔

(6) استغفار کی پانچ چار تسبیح تمام دن میں پوری کرلیا کرو۔

(7) ان امور کو جو پہلے سے کر رہے ہو، سب کو برابر کیے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمانے والا ہے۔ پریشان ہرگز مت ہو۔

جناب بھائی (محمد حسن) صاحب کی خدمت میں سلام۔

عزیزم مولوی محمد یحییٰ اور حافظ محمد یونس اور گھر میں سلام کہہ دینا۔ اللہ تعالیٰ سب کو خیریت سے رکھے۔ والسلام فقط

- -

مکتوب

بنام قاضی مظہر حسینؒ (56)

مکتوب (28/1)

(۱۹/ ذی قعدہ ۱۳۳۵ھ / 6/ ستمبر 1917ء)

مخدوم و مطاعم جناب بھائی مظہر حسین صاحب !

دام ظِلُّکم

بندہ محمود سلام مسنون کے بعد عرض رسا ہے کہ والا نامہ موجبِ عزت ہوا۔ بندہ بحمداللہ خیریت سے ہے۔

محمد حنیف (داماد حضرت شیخ الہندؒ) کے خط سے حال مرض اہلیہٗ جناب کا معلوم ہوکر فکر تھا۔ اب جو خط آئے، ان سے حالِ انتقال کا معلوم ہوکر ملال ہوا۔ إنّا للّٰہ و إنّا إلیہ رجعون۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور سب کو صبر دے۔

معلوم نہیں حافظ مختار کہاں ہیں اور کیا کرتے ہیں۔ گھر سب سے سلام و دعا فرما دینا۔

ہمارے یہاں (گھر میں اہلِ خانہ کو) خرچ کی ضرورت ہو تو آپ ان کو دے دیں۔ اِن شاء اللہ ادا ہو جائے گا۔

مولوی حسین احمد، مولوی عزیر گل، مولوی وحید سلام عرض کرتے ہیں۔

مکرمی مولوی الطاف کریم صاحب کی خدمت میں سلام عرض کر دینا۔

والسلام فقط بندہ محمود عفی عنہٗ ۱۹/ ذی قعدہ (۱۳۳۵ھ/ 6/ ستمبر 1917ء)

مقدمات کی حالت معلوم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ فضل فرما دے۔ اللہ کی رحمت پر نظر رکھو۔ گھبراؤ مت۔

مکتوبات

بنام مولانا محمد حنیف دیو بندیؒ (57)

مکتوب (29/1)

(یہ خط مکمل نہیں، صرف اقتباس ہے)

''میں اور جملہ رُفقا اطمینان سے ہیں۔ حق تعالیٰ بہ خیریت آپ سے ملاوے۔ دعا کرتے رہیے۔

یہاں کسی چیز کی کمی نہیں۔ جملہ رُفقا جس عزم اور ہمت سے میرے ساتھ ہوئے تھے، اسی عزم پر پختہ ہیں۔

بعض موقعوں پر بعض صاحبوں کو میں نے چھوڑنا بھی چاہا کہ: ''تم کیوں میری وجہ سے مفت دِقت میں پڑتے ہو''، مگر کسی نے (مجھ سے) علاحدگی گوارا نہیں کی۔ ہر جگہ، ہر طرح سے میری راحت اور تقویت میں مستعد ہیں۔ گویا اپنے گھر بیٹھا ہوا ہوں۔ مجھ کو کچھ فکر کرنا نہیں پڑتا۔ جزاھُمُ اللّٰہُ تعالٰی. (اور یہ شعر) ؎

خدا از بہ حکمت بہ بندد درے
کشاید بہ فضل و کرم دیگرے (58)

(خدا تعالیٰ اگر اپنی حکمت سے ایک دروازہ بند کردیتا ہے
تو اپنے فضل و کرم سے دوسرا دروازہ کھول بھی دیتا ہے)

اکثر یاد آجاتا ہے''۔

مکتوب (30/2)

(۴/ جمادیٰ الثانی ۱۳۳۷ھ / 7/ مارچ 1919ء)

عزیز محترم!

أسعدکم اللّٰہ و أکرم

(اللہ تعالیٰ تمھیں نیک بخت بنائے اور تمھیں عزت دے)

السّلام علیکم و رحمۃ اللّٰہ

پہلے بھی کئی خط روانہ کر چکا ہوں۔ تمھارے بھی کئی خط آئے۔ بحمد اللہ خیریت سے ہوں اور جملہ رفقا بھی خیریت سے ہیں۔

جمادیٰ الثانی (۱۳۳۷ھ / مارچ 1919ء) کے شروع پر تمھارا مرسلہ گوشت پہنچا۔ عجیب چیز معلوم ہوا۔ کئی برس کے بعد گائے کا گوشت نظر آیا۔ کچے (گوشت) میں کسی قدر بُو آتی تھی، مگر پکنے کے بعد اچھا ہوگیا۔ مزے سے کھایا۔ چوں کہ گوشت کا قدردان اور شائق اپنی جماعت میں صرف میں ہی ہوں، اس لیے باوجود دانتوں کی کمزوری کے اَوروں سے زیادہ کھایا۔

تم نے جو چوغے بھیجے تھے، ان کی رسید اسی وقت تمھارے پاس روانہ کردی تھی۔

مولوی زاہد حسن صاحب امروہی نے سب کے واسطے متعدد کُرتے اور پاجامے سِلوا کر اور بہت سی چائے اور چاول وغیرہ اشیا بھیجی تھیں۔ اس کی رسید بھی ان کے نام روانہ کر چکا ہوں۔ تمھارے پاس خط پہنچ جائے تو تم بھی ان کو مطلع کردینا۔

میرا سلام چھوٹوں بڑوں سبھی کو پہنچا دینا اور جملہ رفیق آپ کو اور سب کو سلام عرض کرتے ہیں۔

اسیروں کے متعلق تحریکات شروع ہیں۔ حق سبحانہٗ کو منظور ہے تو جلد یا کچھ دیر کے بعد نتائج بھی ظاہر ہوجائیں گے۔

اللہ بس، باقی ہوس!

والسلام ۴/ جمادیٰ الثانی ۱۳۳۷ھ (7/ مارچ 1919ء)

- -

www.rahimia.org

مکتوب

بنام حضرت مولانا سیّد عبدالغفور سیوہارویؒ [59]

مکتوب (31/1)

(۱۰/ ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ / 26/ جولائی 1920ء)

مکرم بندہ!

سلّمکم اللہ تعالیٰ

بندہ محمود سلام مسنون کے بعد ملتمس ہے۔ عنایت نامہ موصول ہوا۔

(1) حضرت (مولانا شاہ عبدالرحیم) رائے پوری رحمہ اللہ نے جو آپ کو تعلیم فرمایا، اس کو بِالالتزام (پابندی کے ساتھ) کرنا ضروری ہے۔

(2) اگر طبیعت کاہلی کرے تو بالجبر (زبردستی) اپنے معمولات کو پورا کرو۔

(3) کسی وقت طبیعت نہ لگے تو بھی اپنے معمولات کو ناغہ مت ہونے دو۔

(4) کسی وقت پریشانی زیادہ ہو تو غسل کرنا ٹھنڈے پانی سے مفید ہے۔

(5) نیز پریشانی کے وقت اس دعا کو چند بار پڑھ لیا کرو۔

''اللّٰھمّ باعد بینی و بین خطایای کما باعدت بین المشرق و المغرب. اللّٰھمّ نقّنی من الذّنوب کما نقّیتَ الثّوب الأبیض من الدَّنَس. اللّٰھمّ اغسل خطایای بالماء و الثّلج و البرد.'' [60]

(اے اللہ! میرے اور میرے گناہوں کے درمیان اتنی دوری پیدا کردے، جیسا کہ تُو نے مشرق اور مغرب کے درمیان دُوری رکھی ہے۔ اے اللہ! مجھے گناہوں سے ایسے پاک صاف کردے، جیسے سفید کپڑے کو داغ اور دھبے سے پاک صاف کیا جاتا ہے۔ اے اللہ! تُو میرے گناہوں کو پانی سے، برف سے اور ٹھنڈک سے دھو دے۔)

(6) بالجملہ ہمت اور شوق سے کام کرو۔

(7) اور کاہلی دفع (سستی دُور) کرنے میں جدوجہد سے کام لو۔

دعا بندہ بھی کرتا ہے۔

مولوی حسین احمد صاحب، مولوی عزیر گل صاحب سفر پر گئے ہیں۔

حافظ حبیب الرحمٰن صاحب کو سلام مسنون۔ والسلام بندہ محمود دیوبند

۱۰/ ذی قعدہ (۱۳۳۸ھ / 26/ جولائی 1920ء)

- -

مکتوب

بنام مولانا حافظ حبیب الرحمٰن سیوہارویؒ (61)

مکتوب (32/1)

(مالٹا) (محرم ۱۳۳۸ھ / اگست 1919ء)

سراپا عنایت وکرم !

عافاکُم اللّٰہ

السّلام علیکم و رحمۃ اللّٰہ و برکاتہٗ

آپ کا جوابی کارڈ جس پر تاریخ ومہینہ کچھ نہ تھا، موسمِ حج کے بعد آخری ذی الحجہ (۱۳۳۷ھ / ستمبر 1919ء) پر بندہ کو ملا۔ اوّل تو ہمارے پاس جو خط آتا ہے، اس کا محصول معاف ہے۔ آپ نے ناحق دو کارڈ ضائع کیے۔ دوسرے ہم لوگ بجز اس کارڈ کے جس پر آپ کو خط لکھ رہا ہوں، کسی دوسرے کاغذ پر خط نہیں لکھتے۔ اس لیے آپ کا جوابی کارڈ تبرکاً رکھ کر اس پر آپ کو جواب لکھ رہا ہوں۔

مکرما! آج کل جو تغیرات عالم میں پیش ہیں، ان پر بے تکلف مقولہ حضرت شیخ (سعدی) علیہ رحمہ کہ ؎

یاراں فراموش کردند عشق (62)

دوست احباب عشق کرنا ہی بھول گئے

صادق آتا ہے، لیکن حسبِ ارشادِ قرآنی:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (63)

(پھیل پڑی ہے خرابی جنگل میں اور دریا میں لوگوں کے ہاتھ کی کمائی سے۔ چکھانا چاہیے ان کو کچھ مزہ ان کے کام کا، تاکہ وہ پھر آئیں۔)

عالَم میں ان حوادث کے ظاہر فرمانے سے حق سبحانہ تعالیٰ رحیم وکریم کی یہی حکمت ہوتی ہے کہ:

(1) جو بندے دنیا اور معاصی میں منہمک ہیں، ان کو تنبیہ ہو،

(2) اور دنیاوی خرافات سے ہٹ کر فکرِ آخرت کی طرف رجوع کریں اور دنیا کی محبت سے باز آئیں ؎

انقلاباتِ جہاں واعظِ ربّ ہیں سُن لو

ہر تغیر سے ندا آتی ہے فافہم فافہم (64)

ان حوادثِ گوناگوں کو دیکھ کر بھی اگر ہم کو تنبیہ نہ ہو تو پھر ہم سے زیادہ بدقسمت اور محروم کون ہوگا؟

ہم کو:

(1) نظرِ عبرت سے اور غور سے ان کو دیکھنا چاہیے۔

(2) اور ہمت اور استقلال کے ساتھ اس کی اطاعت میں کمر بستہ ہو جانا چاہیے۔

(3) اور جملہ معاصی سے متنفر اور یکسو ہونے میں کوشش کرنی چاہیے۔

(4) اور دعائے توفیق میں مشغول رہنا چاہیے۔

بندہ آپ کے لیے دعائے خیر کرتا ہے۔ آپ بھی دعائے خیر سے یاد رکھیں۔

آپ سے ہو سکے تو

''لا حول و لا قوّة إلّا باللّٰه و لا ملجاء و لا منجاء من اللّٰه إلّا إليه.

تین تسبیح روزانہ بہ اطمینان پڑھ لیا کریں۔

معلوم نہیں آپ حج کو گئے یا نہیں۔ خدا کرے آپ بامراد واپس ہو چکے ہوں۔ باقی سب خیریت ہے۔

والسلام فقط

سب رُفقا سب کو سلام فرماتے ہیں۔

مولوی رضا حسن صاحب کو معلوم ہو کہ مکرم رفیق مولوی سیّد نصرت حسین صاحب [65] بہ (۹/) ماہِ ذی قعدہ (۱۳۳۷ھ 6/ اگست 1919ء) مرضِ نمونیہ میں وفات پا چکے ہیں۔ إنّا لِلّٰه، و لهُ ما أخذ.

محمود حسن نمبر ۲۲۱۹

مالٹہ (محرم) ۱۳۳۸ھ (1919ء)

- -

مکتوب

بنام: ض، ملتان [66]

مکتوب (33/1)

۲۸/ ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ (13/ اگست 1920)

السّلام علیکم و رحمة اللّٰه و بر کاته

عنایت نامہ کاشفِ حالات ہوا۔

اس میں شک نہیں ہے کہ حالاتِ موجودہ میں ہجرت کی ضرورت اور اہمیت سے انکار نہیں۔ اور آپ جب اس امر کی اہمیت اور نزاکت کو کما حقہ سمجھ چکے ہیں تو آپ پر اس بارے میں جدوجہد فرض ہے۔ اگر کوئی جاہل و غافل بعد از جہل قابلِ معافی سمجھا جائے تو ممکن ہے، مگر جن کو حقیقت الامر منکشف ہوچکی ہے، وہ کسی قسم کی معافی کے مستحق نہیں ہوسکتے۔ لہٰذا بندے کے نزدیک آپ جیسے باخبر اور قوی الہمت کے لیے اس امر میں ہرگز ہرگز کوتاہی جائز نہیں معلوم ہوتی۔

جس قدر اُمور اپنے متعلق آپ نے تحریر فرمائے ہیں، اس میں قابلِ لحاظ:

(الف) والدین کی اطاعت

(ب) اور زوجہ (بیوی) کی معیشت ہے۔

اس لیے احتیاط اس میں ہے کہ:

(1) آپ زوجہ (بیوی) اور صغیر اولاد (چھوٹی اولاد) کے گُزران کی کوئی صورت فرما دیں۔

(2) اور والد سے حصولِ اجازت میں کوششِ بلیغ سے کام لیں۔

اگر والدین کسی طرح رُو بہ راہ نہ ہوں تو پھر مناسب ہے کہ آپ ہجرت کا ارادہ نہ فرمائیں، بلکہ بہ طور خدمت گزاریٔ اسلام اور بہ طورِ ملازمت ارادہ وہاں جانے کا فرمالیں، اور ان کی عدمِ اجازت کی پرواہ نہ کریں۔

ہاں! ارادہ یہ ضرور رکھیں کہ (اسلام کی) خدمت ضروری ہے۔ جب (اس سے) فارغ ہوں گا تو والدین کی خدمت میں چلا آؤں گا۔

اور آپ وہاں پہنچ کر جس تدبیر اور رائے سے مشورۂ متعلقین کرکے اسلام کو نفع پہنچا سکیں، اس میں کوشاں اور ساعی رہیں۔

بندہ محمود بہ قلم محمد مبین

۲۸/ ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ (13/ اگست 1920)

مکتوب

بنام خلیفہ صاحب ڈیرہ اسماعیل خانؒ (67)

مکتوب (34/1)

(۲/ ذی الحج ۱۳۳۸ھ / 17/ اگست 1920ء)

مخدوم ومکرم بندہ جناب خلیفہ صاحب مدفیوضکم

احقر محمود

تسلیمِ مسنون کے بعد عرض رسا ہے۔ جناب کا والا نامہ ایسے وقت پہنچا کہ بندہ سہارن پور، گنگوہ وغیرہ گیا تھا۔ وہاں سے کل

واپس آیا تو جناب کا گرامی نامہ بندہ کو ملا۔

یہ سب جانتے ہیں کہ ہجرت کی فضیلت اور خوبی تو ہر وقت مسلمہ ہے۔ اس پُر آشوب حالت میں حالاتِ موجودہ اور آئندہ کا لحاظ کرکے اس میں شک نہیں کہ اس استحباب و استحسان میں ہر طرف سے تاکیدِ وجوب محسوس ہوتا ہے، جو اہلِ ہمت کے عمل کرنے کے لیے بالکل کافی ہے۔ اب اس میں خواہ مخواہ فرضیت اور عدمِ فرضیت کا مباحثہ اور منازعت کرنا انھیں لوگوں کا ــــ جو حیلہ جو طبائع رکھتے ہیں ــــ کام ہے اور ایک اَور حق کو روکنا چاہتے ہیں۔

البتہ یہ بات ضرور ہے کہ اہلِ تحقیق کو چند جوانب ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

(1) اوّل: دارالحرب کہ جس سے ہجرت کریں، اُس کو غور سے ملاحظہ کرنا۔

(2) دوسرے: جس دارالاسلام میں جانا چاہتے ہوں، اُس کے احوال پر نظر کرنا۔

(3) تیسرے جو ہجرت کریں، اُن کے حالات کو پیشِ نظر رکھنا۔ کیوں کہ حالات بے حد مختلف ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ وقت پریشانی کا ہے اور اہلِ اسلام کی آزمائش کا۔ پس اہلِ اسلام جان نہ چرائیں۔ اللہ کے واسطے ہجرت کریں، یا یہیں رہ کر کسی مفید کام میں سعی کریں۔ اس ضروری وقت کو فضول بحث اور مباحثے میں صَرف نہ کریں۔

ہجرت ضروری ہے تو ایسی ضروری نہیں کہ نہ والدین کی اجازت کی حاجت ہو اور نہ اہل و عیال کے **کفاف** (بہ قدرِ کفایت خرچ اخراجات) کی۔ اور جملہ اہلِ اسلام کو **علی الفور** (فوری طور پر) ہجرت لازم ہی کردی جائے۔

اور (ہجرت) مستحب ہے تو ایسی مستحب بھی نہیں کہ تمام اہلِ ہند بے حِس و حرکت ہو کر آرام و اِطمینان سے اس دارالکفر میں لمبے پیر پسار کر سوتے رہیں، بلکہ فرض یہ ہے کہ ہر شخص اپنی ہمت اور وسعت کے مطابق تائیدِ دین کے لیے مال اور جان سے کوشش کرے۔ خواہ یہاں رہے، یا کہیں باہر جاوے۔ **و اللّٰہُ المُوَفِّق**۔

اکابر اور عمائدِ اسلام پر علی الخصوص واجب ہے کہ خود ہمت کریں اور عوام کو ہمت بندھائیں۔ اور جو شخص جس کام کے لائق ہو، اُس کو اس کام میں لگائیں۔ اور بحث و اختلافات، جس کا منشا نفسانیت ہے، اس اختلاف سے بچیں اور دوسروں کو بچائیں۔ اور ''**العِلمُ حِجابُ الأکبر**'' (کسی کام کے راستے میں علم بڑی رُکاوٹ ہوتا ہے) کے مصداق نہ بنیں۔

احقر نے حالاتِ موجودہ پر نظر کر کے جو مناسب اور حق سمجھا ہے، جناب کی خدمت میں پیش کردیا۔ باقی عباراتِ کتب ــــ جن کو ہمارے علما نے اپنے قول کی مؤید سمجھ کر ــــ اپنے استدلالات میں پیش فرمائی ہیں، ان کا مطلب اہلِ علم جو سمجھ رہے ہیں، اس میں مجھے کچھ عرض کرنے کی حاجت نہیں۔ میں نے فقط یہ عرض کیا ہے کہ ہجرت فرض ہے یا مستحب، قابلِ غور یہ ہے کہ ہم کو اس حالت میں کیا کرنا چاہیے۔ ؎

گر قبول اُفتد زہے عز و شرف

احقر اس خاص وقت میں ایسے منازعت (جھگڑے) کو نہایت منحوس اور مُضِر سمجھتا ہے۔

فقط والسلام بندہ محمود بہ قلم خود

۲/ ذی الحج ۱۳۳۸ھ یومِ سہ شنبہ (17/ اگست 1920ء)[68]

- -

www.rahimia.org

مکتوب

بنام مولانا محمد رفیع دیوبندیؒ عرف ''بھولو'' (59)

و مولانا محمد عثمان دیوبندیؒ (70)

مکتوب (35/1)

میاں بھولو! پیارے عثمان!

السّلام علیکم و رحمة اللّٰه و برکاتهٗ

کئی مہینے ہوئے تمھارا کوئی خط نہیں (آیا)۔ تعجب ہے کہ متعدد خطوط سب کے نام روانہ ہو چکے ہیں، مگر کسی کا خط نہیں آیا۔

میرا خط پہنچے یا نہ پہنچے، مگر لازم ہے کہ تم ہر ہفتے خیریت کا خط بھیج دیا کرو۔ اگرچہ خطوط میں چند خدشے ہیں، اس لیے ہر ایک خط کا پہنچ جانا ضروری نہیں، مگر یہ بھی نہیں کہ سب کے سب تلف ہو جاویں اور ایک بھی نہ پہنچے۔

میں اور تمام رفیق بحمداللہ خیریت اور راحت سے ہیں۔ سب پڑھنے لکھنے وغیرہ مشاغل میں مصروف ہیں۔

خدا کرے آپ سب خیریت سے ہوں۔ اپنی بڑی ماں (اہلیہ محترمہ حضرت شیخ الہندؒ) اور سب کی خیریت سے بہ تفصیل اطلاع دو۔

حکیم (محمد حسن) صاحب (برادرِ خورد حضرت شیخ الہندؒ) اور محمد محسن (برادرِ خورد حضرت شیخ الہندؒ) سلّمہُما سے بعد سلام کہہ دو کہ اپنی خیریت سے مطلع کرو۔ سب بھائیوں کو، سب چھوٹے بڑوں کو دعا و سلام پہنچا دو۔

تمام واقف کاروں اور پوچھنے والوں کو جس کو چاہو، سلام کہہ دینا۔

اللہ تعالیٰ جلد مع الخیر آپ سے ملا دے۔ سب رفیقوں کا سلام پہنچے۔

عزیزم (مولوی) محمد نبی (خان جہان پوری) وغیرہ طلبا کو سلام۔

والسلام فقط بندہ محمود عفی عنہٗ

مالطہ سینٹ کلیمنٹ براکس نمبر ۲۲۱۹

- -

مکتوب

بنام

مولانا مسعود احمد و محمد رفیع [71]

مکتوب (36/1)

عزیزانم

مولوی مسعود احمد و محمد رفیع

بارک اللّٰہ فیکما

عرصے کے بعد آپ کا کوئی خط نہیں آیا، مگر دیگر احباب سے خط آتے رہتے ہیں۔ سب کی خیریت و عافیت معلوم ہو کر تسلی ہو جاتی ہے۔ والحمد للہ۔ میں بھی برابر خط بھیجتا رہتا ہوں۔ جو پہنچ جاوے، غنیمت ہے۔ ہندوستان کی وبا و قحط اور اموات کی کیفیت معلوم ہو کر پریشانی و کلفت رہی۔

اللّٰهمّ احفظنا من کلّ بلاء الدّنیا و عذاب الآخرة.

اپنے اقارب و احباب میں جو حادثات گزر گئے، ہندوستان سے کیا، زندگی سے دل افسردہ کر دینے والے ہیں۔

و فی اللّٰـه عـزاء من کلّ مصیبة و خلف من کلّ هالک و درک لما فات، فبالله فثِقُوا (و علیه فتوکّلوا) و إیّاه فارجوا، فإنّ المحروم من حرم الثّواب. [72]

''حق سبحانہ جو تکلیف ڈالتا ہے، اس کے سامنے **قُوىً محصَّنه** (فصیل سے محفوظ شہر) اور **بروج مُشیَّده** (مضبوط قلعے) **نسیجِ عنکبوت** (مکڑی کے جالے) سے زیادہ کام نہیں دیتے۔ اور جو راحت دیتا ہے، اس کے آگے غربت، و بے کسی، و درماندگی، و بے دست و پائی سب **هباءً منثوراً** (بکھری ہوئی ریت) بن جاتی ہیں۔

ور ایں است توقیع فرمان او است
اگر آں است منشورِ احسانِ اُو است [73]

(اگر وہ ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا پھیلا ہوا احسان ہوا ہے)
(اور اگر یہ ہے کہ تو یہ اُس کے فیصلے کے جاری کرنے کی وجہ سے ہے)

فإنّا للّٰه و الحمد للّٰه.

www.rahimia.org

شعر

کند هر چه خواهد برو حکم نیست

که جان دادن و کشتن اُو را یکیست

بھائی محمد حسن اور محمد محسن سے سلام مسنون عرض کر دینا اور گھر (میں) سب بڑوں اور چھوٹوں کو درجہ بہ درجہ سلام اور دُعا پہنچا دینا۔

اصحابِ اربعہ (حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی، مولانا عزیر گل، حکیم نصرت حسین اور مولوی وحید احمد [74]) آپ اور سب کی خدمت میں سلام مسنون پیش کرتے ہیں اور سب خیریت سے ہیں۔

ماموں ''کلّو'' (مولوی سعید احمد) معلوم نہیں اب کیسا ہے۔حق تعالیٰ اُس کو صحت وقوت دے۔ اُس کے نام خط بھیجا تھا۔ معلوم نہیں پہنچا یا نہیں۔ حافظ جلیل، مولوی سعید، محمد نبی کو سلام۔

(رہائی کی) کچھ تحریکات جو پہلے سے شروع تھیں، اب ان کا کچھ کچھ ظہور ہو رہا ہے، مگر بہت آہستگی سے، بہر حال سلسلہ شروع ہے۔حق تعالیٰ کو منظور ہے تو لا بُد (ضروری ہے کہ) ایک روز پورا ہی ہو جاوے گا۔

پرسوں دو پارسل پہنچے، جن میں ماش کی دال تھی۔ مولوی وحید نے ہانڈی چڑھائی۔ بہت اچھی رہی۔ سب نے شوق سے کھائی۔ دال بہت اچھی ہے۔ خوب گل جاتی ہے۔ ہم کو معلوم نہیں کہ اب یہ ہمیں ملے گی یا نہیں۔ اللہ کی قدرت کہ ہندیوں کی دال اور مالٹا میں گل جاوے، گھر میں سب کی تسلی کروا دیئے۔ پریشان نہ ہوں۔ اللہ سے دعائیں کی جاویں۔ معلوم نہیں وہاں اب گھرانوں کا کیا احوال ہیں۔ پہلے عشرے سے کوئی خط نہیں ملا۔ اُمید ہے کہ آج کل میں عزیزہ بتول کا یا نسرین کے خط آجاویں۔ چھوٹے بچوں کو پیار، دعا وسلام۔ اور ہماری طرف سے سب عزیز واقارب میں سلام پہنچا دینا۔

محمود حسن

سینٹ کلیمنٹ براکس نمبر ۲۲۱۹

متفرق اقتباسات

مکتوبات

بنام اہلِ خاندان [75]

(1)

ایک خط میں حضرتؒ تحریر فرماتے ہیں؛

''دو پارسل پہنچے۔ ایک میں پان اور چھالیا اور دوسرے میں صرف چھالیا تھی۔ تم نے جوتوں کے جوڑے بھیجے تو سب کے واسطے۔ وہاں قربانی کی تو سب کی طرف سے۔ پھر یہ پارسل ایسا کیوں بھیجا، جس سے ایک کے سوا کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے۔ اتنی دور

سے پارسل آوے اور ایک کے سوا کسی کو اس سے نفع نہ ہو، تعجب کی بات ہے۔ تھوڑا سا ادرک یا زیرہ یا گٹے یا بتاشے ہی رکھ دیے ہوتے، تا کہ سب کی ناک میں خوشبو ہی پہنچ جاتی یا رال ہی میٹھی ہو جاتی۔''

(دونوں طرف کے خطوط سینسر کی وجہ سے بہت تاخیر سے پہنچتے تھے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:)

''...مگر اتنی مدت میں پہنچا کہ سخت تعجب ہوتا ہے کہ اتنی تاخیر کا کیا باعث ہوا۔ تم نے ۲/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۷ھ (3/فروری 1919ء) کو روانہ کیا اور ہم کو ۲۴/صفر ۱۳۳۸ھ (18/نومبر 1919ء) کو ملا۔ حمل کی مدتِ معتاد (نو مہینے) سے بھی بڑھ گیا۔ مگر الحمدللہ کہ وصول ہو گیا۔ یہ بھی غنیمت ہے۔''

(2)

(ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:)

''دنیا میں کوئی چیز یوں (ہی) نہیں ہو جاتی۔ جو کچھ ہوتا ہے، اس کا کرنے والا حق تعالیٰ ہے۔ ہر کام میں اس کی حکمتیں اور رحمتیں ہیں، جن کو وہی جانتا ہے۔ تمام دنیا کو اس نے پیدا اور آباد کیا۔ پھر ایک دن سب کو فنا کر دے گا اور پھر سب کو نئے سِرے سے پیدا کرے گا۔ اس کے ہر حکم کو حق سمجھنا چاہیے۔ راحت ہو یا مصیبت، ہمت کر کے سر پر رکھ لینا چاہیے۔ اور اس کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہونا چاہیے۔''

''خدا کے سوا کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ اسی پر نظر رکھو اور اسی سے دعا کیا کرو۔ دنیا کے تمام قصے بھلے اور بُرے ختم ہو جانے والے ہیں۔ اس لیے زیادہ خیال کرنے کے لائق نہیں۔ صبر اور سکوت جس طرح ہو سکے، اپنے دن گزارو اور اللہ کی رحمت سے متوقع اور اس کی ناراضی سے ڈرتے رہو۔''

''دنیا بہت گندی اور ناپائیدار ہے۔ اللہ کے سوا کسی سے امید رکھنا بالکل غلط ہے۔ جو احسان کرے، اس کا احسان ماننا چاہیے اور اللہ کا شکر کرنا چاہیے کہ اس نے اپنے کسی بندے سے ہم کو نفع پہنچایا۔ اور جو احسان نہ کرے، اس کی شکایت ہرگز نہ چاہیے۔''

''بات قابلِ فکر صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم سب کا خاتمہ ایمان پر کرے۔ اَور کوئی امر قابلِ فکر و اندیشہ نہیں۔ آدمی کی سعادت اور خوش قسمتی بس یہی ہے کہ اپنے اللہ رحیم کریم کو کسی حال میں نہ بھولے۔ اور جہاں تک ہو سکے، اس کے حکم مانے۔ باقی کوئی چیز چنداں (کسی طرح) اعتبار کے قابل نہیں۔

حسبُنا اللّٰہ و نعم الوکیل. و لا حول و لا قوّۃ إلّا باللّٰہ العظیم''

(3)

(۱۳/رجب ۱۳۳۷ھ /15/اپریل 1919ء کو تحریر فرماتے ہیں:)

''بندہ کی سعادت مندی اس میں ہے کہ مالکِ حقیقی کے حکم کو — گو وہ نفس پر کتنا ہی شاق ہو — بہ صبر و رضا سر پر رکھ لے اور اس کی رحمت پر بھروسا رکھے۔ پریشان نہ ہو۔ اس کی قدرت و رحمت میں سب کچھ ہے۔ اس کی قدرت کے سامنے کوئی چیز

لاعلاج نہیں۔ تکلیف کو راحت، راحت کو تکلیف کر دینا اس کو ہرگز دُشوار نہیں''۔

(4)

(ایک صاحبزادی کے انتقال کا ذکر شروع کے کسی مکتوب میں آچکا ہے۔ اہلیہ محترمہ کو ان کے متعلق ہدایت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:)

''اپنے آگے چلی جانے والی لڑکی کو ثواب رسانی سے مت بھولیو۔ قلیل کثیر جو ممکن ہو، وقتاً فوقتاً اس کو ثواب میں یاد رکھو۔''

- -

حوالہ جات وحواشی

1۔ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہ: سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے بانی مخدوم العلما، مرشدِ ربانی، قطبِ عالم حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہٗ ہیں۔ آپؒ کی پیدائش ۱۲۷۰ھ/ 1853ء میں موضع تِگری ضلع انبالہ میں ہوئی۔ آپؒ کے والدِ گرامی حضرت راؤ اشرف علی صاحبؒ تھے، جو کہ سیدالطائفہ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کے مرید اور متوسل تھے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے آپؒ کا نام ''عبدالرحیم'' رکھا۔ آپؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی اور پھر درسِ نظامی کی ابتدائی کتابیں لدھیانہ میں حضرت مولانا محمد لدھیانویؒ وغیرہ اساتذہ سے پڑھیں۔ آپؒ نے مدرسہ مظاہرالعلوم سہارن پور میں حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ اور حضرت مولانا احمد علی محدث سہارن پوریؒ سے دورۂ حدیث شریف پڑھ کر دینی علوم کی تکمیل ۱۲۹۱ھ/ 1874ء میں کی۔ طالبِ علمی کے زمانے میں ہی آپؒ نے ۱۲۸۸ھ/ 1871ء میں حضرت اقدس میاں شاہ عبدالرحیم سرساوی سہارن پوری سے بیعت کی اور سلوک واحسان کی تعلیم وتربیت مکمل کی۔ حضرت اقدس رائے پوری اول قدس سرہٗ ایک طرف سیدو شریف کے مشہور بزرگ حضرت اخوند عبدالغفور سواتی عرف ''سیدو بابا'' کے جانشین حضرت میاں عبدالرحیم سہارن پوریؒ کے خلیفہ اور جانشین ہیں تو دوسری طرف اپنے دور میں امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے سلسلے کے عظیم وارث سیدالطائفہ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ اور ان کے جانشین امامِ ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کے خلیفہ اور جانشین ہیں۔ اور اسی طرح حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ کے فیض روحانی سے بھی آپؒ پوری طرح سیراب ہوئے۔ اور ان حضرات کے بعد ان کے جانشین اور قائم مقام ہوئے۔ بقول حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ؎

جنھوں نے ''رائے پور'' میں بیٹھ کر ''گنگوہ'' دیکھا ہے
انھیں ہی یاد کچھ ''گنگوہ'' کا جغرافیہ ہوگا

حضرت اقدس عالی رائے پوریؒ جہاں تزکیۂ قلوب اور تصفیہ باطن کے حوالے سے مرشدِ برحق اور قطبِ عالم تھے، وہاں برصغیر پاک و ہند کی آزادی کی مشہور تحریک ''تحریکِ ریشمی رومال'' کے سرپرست اور مجاہدِ حریت بھی تھے۔

علاوہ ازیں قرآن کریم کی تعلیمات پھیلانے کے لیے آپؒ نے بستی بستی گاؤں گاؤں ''مکاتبِ قرآنیہ'' قائم فرمائے۔ نیز آپؒ بہت سے مدارسِ دینیہ کے سرپرست رہے۔ اس طرح آپؒ شریعت، طریقت اور سیاست کے جامع فرد تھے۔ آپؒ کی ذات قدسی صفات کی صحبت سے ہزاروں سالکین و طالبین سیراب ہوئے اور خداپرستی اور انسان دوستی کا نظریۂ فکر وعمل چہار دانگ عالم میں پھیلا۔ آپؒ کا وصال ۲۶ر ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ/ 29رجنوری 1919ء کو ہوا۔ حضرت اقدس رائے پوریؒ اور حضرت اقدس شیخ الہند قدس سرہٗ کے درمیان محبت کا تعلق

بہت گہرا تھا۔ حضرت اقدس رائے پوریؒ کے وصال پر حضرت شیخ الہندؒ نے ایک پورا مسدس جو ''مسدسِ مالٹا'' کے نام سے مشہور ہے، تحریر فرمایا تھا۔ درج ذیل مکتوب حضرت شیخ الہندؒ نے مالٹا سے حضرت رائے پوریؒ کے نام تحریر فرمایا۔

2۔ دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے اہم اراکین، جن میں سرپرست دارالعلوم دیوبند حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ، مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد احمد قاسمی نانوتویؒ اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ شامل تھے، نے یہ خطوط حضرت شیخ الہندؒ کو تحریر کیے تھے۔ اندازہ یہ ہے کہ مجلسِ شوریٰ کے فیصلے کے مطابق یہ خطوط تحریر کیے گئے۔

3۔ حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ ۲۹/ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ/ 21/ فروری 1917ء کو مالٹا پہنچے تھے۔ منتظمین دارالعلوم دیوبند کے نام خط کے دوسرے حصے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطوط رائے پور اور دیوبند سے ۲۳/ محرم ۱۳۳۶ھ/ 11/ نومبر 1917ء کو لکھے گئے۔ اور تقریباً چار ماہ کے بعد ۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ/ 2/ مارچ 1918ء کو حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کو مالٹا میں موصول ہوئے۔

4۔ حضرت شیخ الہندؒ کا یہ جملہ ''میں کہاں رہنا پسند کرتا ہوں، دو دفعہ اس کے متعلق مجھ کو کچھ کہنے کی نوبت آئی ہے۔ گو وہ بھی ارشادِ محبّین کے زیادہ مخالف تھا۔'' غالباً اس طرف اشارہ ہے کہ تحریکِ آزادی کے سلسلے میں جب حضرت شیخ الہندؒ ہندوستان سے حجاز جانے کے سلسلے میں مشورہ فرما رہے تھے تو حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہٗ کی رائے یہ تھی کہ حضرت شیخ الہندؒ حجاز جانے کی بجائے ہندوستان میں رہ کر انگریزوں کے خلاف آزادی کی جدوجہد کریں۔ ہندوستان میں اگر گرفتاری ہوگی تو آزادی اور حریت کے کام کو زیادہ مہمیز ملے گا۔ جب کہ حجاز جانے کی صورت میں نقصانات کا اندیشہ ہے۔ اور یہی رائے حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ کی بھی تھی۔ یہاں ''ارشادِ محبّین'' میں انھیں محبّین کی اس رائے کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

5۔ القرآن 50:12۔

6۔ القرآن 42:12۔

7۔ یہ دونوں آیات سورۃ یوسف کی ہیں۔ ان آیات میں حضرت یوسف علیہ السلام کی دو باتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے:

(i) حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل میں بادشاہ کے مقرب ملازم کے خواب کی تعبیر بیان کرنے کے بعد اُس سے کہا تھا کہ:

''وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ'' (12- یوسف: 42)

(اور کہہ دیا یوسف نے اس کو جس کو گمان کیا تھا کہ بچے گا ان دونوں میں، میرا ذکر کرنا اپنے خاوند (مالک) کے پاس)

گویا انھوں نے اپنی رہائی کے لیے ایک گونہ کوشش فرمائی تھی۔

(ii) جب بادشاہ کی طرف سے بھیجا ہوا آدمی حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی کے لیے آیا تو انھوں نے رہا ہونے سے انکار کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ:

''اِرْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ'' (12- یوسف: 50)

حضرت شیخ الہندؒ ان دونوں آیات کا تذکرہ کرکے یہ اظہار کرنا چاہ رہے ہیں کہ میں اپنی رہائی کے لیے حکومتِ برطانیہ سے خود کوئی درخواست پیش نہیں کروں گا، لیکن اگر رہائی کا حکم نامہ آیا تو اس سے انکار بھی نہیں کروں گا۔ اس معاملے میں سنتِ یوسفیؑ کے بجائے حضورؐ کی سنت پر عمل کروں گا۔ اس آیت کی تفسیر میں امام بخاری نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جملہ نقل فرمایا ہے: ''لو لبِثتُ فی السِّجنِ ما لَبِثَ یوسُفُ لأجبتُ الدّاعیَ''. (اگر میں جیل میں اتنا عرصہ ٹھہرتا جتنا کہ حضرت یوسف علیہ السلام قید رہے، اور قید سے رہائی کے لیے یوسفؑ کی طرح پیغام ملتا تو میں اِسے قبول کرلیتا۔) (رواہ البخاری۔ کتاب التفسیر۔ حدیث نمبر: 4694)

8۔ حضرت شیخ الہندؒ نے ''موضحِ فرقانِ حمید'' میں سورت احزاب کے ترجمے کے بعد یہ تاریخ تحریر کی ہے:

''۶/ جمادی الثانیہ ۱۳۳۶ھ (مالطہ)'' (/ 19/ مارچ 1918ء)۔ اس کے بعد سورت سبا کے ترجمے کی تاریخ تکمیل یہ درج ہے: ''۱۲/

جمادی الثّانیہ ۱۳۳۶ھ (25/ مارچ 1918ء) فی الأسر و الحمد للّٰہ''۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس خط کی تاریخ تحریر ۶/ تا ۱۲/ جمادی الثّانیہ ۱۳۳۶ھ/ 19/ تا 25/ مارچ 1918ء کے درمیان ہے۔

9۔ حضرت مولانا حافظ محمد احمد قاسمی نانوتویؒ: آپؒ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے صاحبزادے ہیں۔ ۱۲۷۹ھ / 1862ء میں نانوتہ ضلع سہارن پور میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی ضلع بلند شہر اور مدرسہ شاہی مراد آباد میں حضرت نانوتویؒ کے تلامذہ سے مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھنے کے بعد دیوبند تشریف لائے اور اپنے والدِ گرامیؒ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ دورۂ حدیث حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے پڑھ کر علوم کی تکمیل کی۔ ۱۳۰۳ھ / 1885ء میں بہ حیثیتِ مدرّس دار العلوم دیوبند میں تدریسی زندگی کا آغاز کیا۔ ۱۳۰۷ھ / 1889ء میں امامِ انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے آپؒ سے اصولِ فقہ اور علمِ کلام کی کتابیں پڑھیں۔ مولانا سندھیؒ آپؒ کے بارے میں لکھتے ہیں: ''اس دوران میں نے شیخ الاسلام حضرت نانوتویؒ کے حالاتِ زندگی کے بہت سے واقعات اپنے اساتذہ سے بارہا سنے۔ خاص طور پر اپنے استاذ حضرت مولانا ابوالطیب احمد بن شیخ الاسلام (محمد قاسم نانوتوی) الدیوبندی مہتمم دار العلوم دیوبند سے اُن کے بہت زیادہ واقعات سنے۔ وہ ہر روز آپؒ کی زندگی کا کوئی نہ کوئی واقعہ ضرور ہمیں سناتے تھے۔ انھی واقعات سے مجھے اندازہ ہوا کہ حضرت نانوتویؒ کے استاذ، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا مملوک العلی (نانوتویؒ) اپنی فراست سے یہ سمجھ چکے تھے کہ ''مولانا نانوتویؒ مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کی طرح بنیں گے۔'' چناں چہ امام محمد اسماعیل شہیدؒ کے بعد شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو میں اپنا ''امام'' مانتا ہوں اور اس پر میں بہت خوش ہوں''۔

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی کتاب ''التّمهيد لتعريف أئمّة التّجديد'' کی اصل عبارت یہ ہے:

''سمعتُ مِن مناقِبِ شيخ الإسلام (النّانوتوی) و وقائعهِ كثيرا عن جماعة منهم الشّيخ ابو الطّيّب أحمد بن شيخ الإسلام الدّيوبندی مدير دار العلوم، فإنّه كان يحكی لنا كلّ يوم شیء من الواقعات'' (التّمهيد، تحديث العبد الضّعيف بنعمة ربّه اللّطيف، الباب الأوّل فی التّعليم، فصل: ۲، ص: ۱۱، طبع: لجنة أحياء الأدب السّندی بجام شورو)

(برصغیر میں تجدیدِ دین کی تاریخ، اردو ترجمہ: التّمهيد لتعريف أئمّة التّجديد، مترجم: مفتی عبد الخالق آزاد رائے پوری، ص: 167، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

حضرت مولانا محمد احمدؒ میں اپنے والدِ گرامیؒ کی طرح بہت سی علمی اور عملی خصوصیات پائی جاتی تھیں، ان میں خاص طور پر مستقل مزاجی، تجربہ کاری، انتظامی صلاحیتیں بہت زیادہ تھیں۔ آپؒ انتہا درجے کے منتظم اور صاحبِ اثر و وجاہت تھے۔ اسی کے پیشِ نظر حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ نے آپؒ کو ۱۳۱۳ھ / 1896ء میں دار العلوم دیوبند کے اہتمام کے لیے منتخب کیا۔ اس موقع پر ادارے کا نظم و نسق چلانے کے لیے حضرت نانوتویؒ کے تربیت یافتہ تلامذہ کی شوریٰ بھی مقرر کی گئی۔ برطانوی گورنمنٹ کی جانب سے آپؒ کو ''شمس العلما'' کا خطاب دیا گیا تھا۔ ''تحریکِ ترکِ موالات'' کے موقع پر حضرت شیخ الہندؒ نے سرکاری خطابات واپس کرنے کے حوالے سے بڑی مؤثر تقریر ایک خاص مجمع میں فرمائی تھی۔ (نقش حیات، ج:2، ص: 255) چناں چہ حضرت شیخ الہندؒ کے حکم پر آپؒ نے یہ خطاب واپس کر دیا اور دار العلوم دیوبند کے حریت پسندانہ مسلک کی بنا پر حکومت کا خطاب یافتہ ہونا پسند نہیں کیا۔

حیدر آباد دکن میں عدالت العالیہ کے مفتیٔ اعظم کے عہدے پر ۱۳۴۱ھ / 1922ء سے ۱۳۴۴ھ / 1925ء تک فائز رہے۔ دار العلوم دیوبند کے کام سے حیدر آباد دکن تشریف لے گئے تھے۔ وہیں طبیعت خراب ہوئی اور ۳/ جمادیٰ الاولیٰ ۱۳۴۷ھ / 18/ اکتوبر 1928ء کو سفر کے دوران انتقال فرمایا۔ اور ۴/ جمادی الاولیٰ / 19/ اکتوبر کو قبرستان موسومہ ''خطۂ صالحین'' حیدر آباد دکن میں ہی دفن کیے گئے۔

10۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ: آپؒ حضرت مولانا فضل الرحمٰن عثمانیؒ (رُکنِ رکین دار العلوم دیوبند) کے صاحبزادے ہیں۔ آپؒ کے بڑے بھائی دار العلوم دیوبند کے صدر مفتی حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن تھے۔ آپؒ کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ تھے۔

آپؒ نے شروع سے آخر تک دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی۔ آپؒ ایک متبحر عالم اور عربی زبان کے زبردست ادیب تھے۔ وہیں مدرّس ہوئے۔ پھر ۱۳۲۵ھ / 1907ء میں دارالعلوم دیوبند کے نائب مہتمم بنائے گئے اور حضرت مولانا محمد احمدؒ کے انتقال کے بعد اس کے صدر مہتمم ہوئے۔ ان کا تدبر اور انتظامی صلاحیتیں دارالعلوم دیوبند کی تاریخ میں ضرب المثل سمجھی جاتی ہیں۔ دارالعلوم کی ترقی میں ان کی خدمات اور خداداد صلاحیتوں کو بڑا دخل حاصل ہے۔ متعدد اہم تصانیف آپؒ کی یادگار ہیں، جن میں معجزاتِ رسول اللہ ﷺ پر ''قصیدۂ لامیہ''، ''اشاعتِ اسلام؛ دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا''، اسلام کے طرزِ حکومت کی وضاحت کے لیے ''تعلیماتِ اسلام'' اور نبی اکرم ﷺ کی سیرت پر ''رحمۃ للعالمین'' کے نام سے اہم کتابیں تصنیف کی ہیں۔ آپؒ نے ۴/ رجب ۱۳۴۸ھ / 6/ دسمبر 1929ء کو دیوبند میں اس جہانِ فانی سے رحلت فرمائی۔ مقبرۂ قاسمی میں مدفون ہیں۔

11۔ کشکول از بہاء الدین (شیخ بہائی)، ص: 120، طبع: کتب خانہ ملی، ایران، ۱۳۷۷ھ۔

12۔ مسٹر برن یوپی کے گورنر مسٹر مسٹن کے سیکرٹری تھے۔ انگلستان جاتے ہوئے ایک خاص مشن پر مالٹا پہنچے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ اور آپؒ کے رفقا سے انھوں نے ملاقات کی تھی۔ اس ملاقات کا مقصد یہ اندازہ کرنا تھا کہ اگر کسی پہلو سے کوئی کمزوری ظاہر ہو اور یہ حضرات معافی کے طلب گار ہوں اور ہندوستان جا کر سیاست سے اَلگ رہنے کا یقین دلائیں تو ان کی رہائی کی سبیل نکالی جائے۔ لیکن مسٹر برن کو اس سلسلے میں مایوسی ہوئی۔ مسٹر برن جنوری کے آخر یا فروری 1918ء کے شروع میں مالٹا پہنچے تھے، جب کہ اربابِ دارالعلوم دیوبند کے خطوط 2/ مارچ 1918ء کو پہنچے تھے۔ (حاشیہ از ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری)

13۔ نقل مکتوب از ''کلیاتِ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ''، مرتبہ: حضرت میاں اصغر حسینؒ، ص: 24 تا 26، طبع: مکتبہ محمودیہ، لاہور۔

14۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ: آپؒ ۵/ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ/ 19/ ستمبر 1863ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والدِ ماجد شیخ عبدالحق مرحوم ایک مقتدر رئیس، صاحبِ نقد و جائیداد کے مالک تھے۔ وہ میرٹھ کی ایک ریاست کے مختارِ عام بھی تھے۔ آپؒ کے ابتدائی استاذ حضرت مولانا فتح محمد تھانویؒ ہیں۔ حضرت تھانویؒ کے بارے میں حضرت مولانا شیخ محمد محدث تھانویؒ (خلیفہ حضرت میاں جیو نور محمد جھنجھانویؒ) فرمایا کرتے تھے کہ: ''میرے بعد یہ لڑکا میری جگہ ہوگا۔'' چناں چہ ایسا ہی ہوا۔

ابتدائی تعلیم کے بعد آخر ذی قعدہ ۱۲۹۵ھ/ نومبر 1878ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۳۰۱ھ/ 1884ء میں دارالعلوم سے فراغت ہوئی۔ اس کے بعد ۱۳۱۵ھ/ 1898ء تک کان پور کے مدرسہ جامع العلوم میں درس و تدریس کی اور اس کے بعد تا وصال تھانہ بھون میں قیام فرمایا۔ آپؒ نے سلوک و طریقت میں سیّد الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ سے بیعت کی اور اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔ اور ساری عمر حضرت حاجی صاحبؒ کے حکم سے ان کے طریقت سے متعلق افکارِ عالیہ کی تشریح و توضیح فرماتے رہے۔ گویا اس شعبے میں آپؒ حضرت حاجی صاحبؒ کی زبان تھے۔ چناں چہ اس حوالے سے آپؒ نے بڑی عظیم تصنیفات اور تالیفات مرتب و مدوّن کی ہیں۔

سیاسی فکر و عمل میں حضرت تھانویؒ اپنے پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے پیر بھائی حضرت مولانا محمد محدث تھانویؒ کے مسلک پر تھے، جنھوں نے 1857ء میں انگریز کے خلاف جہاد کو صحیح نہیں سمجھا تھا۔ چناں چہ سیاسی حوالے سے حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے نہ صرف اپنے پیر و مرشد کے فکر و عمل سے اختلاف کیا، بلکہ اپنے استاذ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ کی تحریکِ ریشمی رومال، تحریکِ خلافت اور جمعیت علمائے ہند کے سیاسی فکر و عمل سے بھی اختلاف کیا اور دوسری راہ اپنائی۔ چناں چہ حضرت تھانویؒ خود لکھتے ہیں: ''میرا یہ (سیاسی) اختلاف حضرت مولانا (شیخ الہندؒ) کے ساتھ آج (۱۳۳۸ھ/ 1920ء) میں نہیں پیدا ہوا' بلکہ بہت زمانہ پہلے کا ہے۔''

ایک اَور جگہ حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں: ''رہا (حضرت شیخ الہندؒ) سے کسی مسئلے میں رائے کا اختلاف، سو ایسا اختلاف مجھ کو حضرت مولانا (رشید احمد) گنگوہی قدس سرہٗ، بلکہ اپنے مرشد حضرت حاجی (امداد اللہ مہاجر مکی) صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے بھی رہا ہے۔'' (اشرف السوانح

(ملاحظہ شدہ حضرت تھانویؒ)، مرتبہ خواجہ عزیز الحسن مجذوب، ج:3، ص:163، طبع مکتبہ امدادیہ ملتان)

البتہ یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ حضرت تھانویؒ نے اپنی ذاتی زندگی میں اپنی وسعت کے مطابق انگریز کے فکر وعمل، اس کی تہذیب و کلچر سے قطعاً نفرت رکھی اور خلوص وللّٰہیت کے ساتھ شعبۂ طریقت اور شریعت میں طالبان وسالکان کی رہنمائی فرماتے رہے۔ اس حوالے سے اپنے پیر ومرشد حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کے فیضان سے مواعظ پر مشتمل خاصا عمدہ دینی ذخیرہ منظرِ عام پر آیا، جس سے عوام الناس کو بہت فائدہ پہنچا۔ آپؒ نے تقریباً 72 سال کی عمر میں ۱۷/رجب ۱۳۶۲ھ/ 20/جولائی 1934ء منگل کی رات کو انتقال فرمایا۔ تھانہ بھون میں آپؒ کا مزار ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کے حضرت تھانویؒ کے نام ہمیں تین مکتوبات دستیاب ہوئے ہیں:

ایک خط میں حضرت تھانویؒ نے حضرت شیخ الہندؒ سے آیاتِ قرآنیہ سے متعلق چند سوالات کیے تھے۔ اُس کے جواب کے طور پر حضرت شیخ الہندؒ نے یہ مکتوب تحریر فرمایا۔ یہ مکتوب حضرت تھانویؒ کے فتاویٰ کے مجموعہ ''امداد الفتاویٰ'' معروف بہ ''فتاویٰ اشرفیہ'' میں شائع ہوا اور اس کے شروع میں حضرت تھانویؒ نے یہ تحریر لکھی ہے: ''بعضے از تحریرات سیّدنا واستاذنا حضرت مولانا محمود حسن صاحب دامت برکاتہم کہ در جوابِ سوال فتاویٰ متعلق بعض نکاتِ تفسیر یہ صدور یافتہ بہ مناسبتِ مقام در آخر ملحق کردہ شد''۔

اندازہ یہ ہے کہ یہ مکتوبِ گرامی حضرت شیخ الہندؒ کے حجاز روانگی سے پہلے کا لکھا ہوا ہے۔ دیگر دو مکتوب حضرت شیخ الہندؒ نے حجاز اور مالٹا سے لکھے۔ (مرتب)

15۔ سورت النور کی آیت میں ''اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ'' (24-النور:2)

(بدکاری کرنے والی عورت اور مرد، سو مارو ہر ایک کو دونوں میں سے سو سو درّے)

میں زانیہ عورت کا تذکرہ زانی مرد سے پہلے کیا گیا ہے۔

16۔ سورت النساء کی آیت ''وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا'' (5-المائدہ:38)

(اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت، کاٹ ڈالو ان کے ہاتھ)

میں چوری کرنے والی عورت کا تذکرہ چور مرد کے بعد ہے۔

17۔ 4-النساء:11۔

18۔ صحیح بخاری، حدیث:4747۔

19۔ امداد الفتاویٰ معروف بہ فتاویٰ اشرفیہ، از حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مبوّب بہ ترتیبِ جدید ۱۳۹۳ھ/1973ء، مرتبہ: مولانا مفتی محمد شفیعؒ، جلد ششم، ص34-332، طبع: مکتبہ دار العلوم کراچی۔

20۔ مشہور مؤرخ اور ادیب وشاعر؛ مولانا محمد شبلی بن مولانا حبیب اللہ۔ ذی قعد ۱۲۷۴ھ/4/جون 1857ء میں ضلع اعظم گڑھ (یو۔پی) کے ایک گاؤں ''بندول جیراج پور'' میں پیدا ہوئے۔ اعظم گڑھ میں ابتدائی تعلیم کے بعد حضرت مولانا احمد علی محدث سہارن پوریؒ سے سہارن پور اور مولانا فیض الحسن سہارن پوریؒ سے لاہور میں تفسیر، حدیث، فقہ، ادب اور فلسفہ وغیرہ علوم حاصل کیے۔

سرسیّد کی حیات میں 1883ء میں مدرسۃ العلوم علی گڑھ میں عربی اور فارسی کے پروفیسر رہے۔ یہاں سے مستعفی ہو کر بلادِ اسلامیہ کا سفر کیا۔ 1892ء میں سلطانِ ترکی نے ''تمغۂ مجیدی'' مرحمت فرمایا۔ 1894ء میں ''شمس العلما'' کا خطاب ملا۔ پھر حیدرآباد دکن میں سررشتہ علوم وفنون کے ناظم ہوگئے۔ ندوۃ العلما لکھنؤ کے بانیوں میں سے تھے۔ مدت تک اس کے معتمد رہے۔ مذہب، تاریخ، ادب، تنقید اور تذکار وسوانح میں متعدد اہم تصانیف یادگار ہیں۔ ۲۸/ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ/18/نومبر 1914ء کو وفات پائی۔ (تذکرہ علمائے ہندوستان، از مولانا سیّد محمد حسین بدایونی، ص:186-185، طبع: دار النعمان پبلشرز، لاہور، 2018ء)

www.rahimia.org

حضرت شیخ الہندؒ نے ایک مکتوب علامہ شبلی کے نام تحریر کیا تھا۔ اس کے بارے میں مولانا سیّد سلیمان ندویؒ ''حیاتِ شبلی'' میں لکھتے ہیں:

''1912ء میں دہلی کے اجلاسِ ندوہ کے زمانے میں مولانا (شبلی) کو یہ خیال ہوا کہ موجودہ عربی مدرسوں کا انتشار اُن کو کسی ایک سلسلے میں منسلک ہونے سے مانع ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہماری قوم میں جو طوائف الملو کی ہے، وہ جس طرح اُس کے ہر شعبۂ حیات کو محیط ہے، عربی مدرسے بھی اُس کے اِحاطے سے باہر نہیں۔ اور اس کے سبب سے عربی مدرسوں کی بہت سی خرابیاں اور بدانتظامیاں دور نہیں ہوسکتیں۔ تو اس خیال کا آنا تھا کہ مولانا نے سب سے پہلے حضرت مولانا محمود حسن صاحب مدرّسِ اوّل دارالعلوم دیوبند کو اس بارے میں خط لکھا، موصوف نے اس کا جو جواب دیا، وہ حسبِ ذیل ہے''۔

اس کے بعد سیّد صاحب نے ''حیاتِ شبلی'' میں حضرت شیخ الہندؒ کا درجِ ذیل خط نقل کیا ہے۔ پھر تحریر کرتے ہیں کہ:

''(حضرت شیخ الہندؒ کے) اس جواب کی بنا پر مدرسوں کی تنظیم کے خیال کو چھوڑ کر صرف مذہبی ضروریات کے لیے ندوۃ العلما کی مرکزیت کی تجویز پیش ہو کر منظور ہوئی''۔

(حیاتِ شبلی، از سیّد سلیمان ندوی، ص: 412، طبع: دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، یو۔ پی، انڈیا، طبع جدید: اکتوبر 2008ء)

21۔ اس حوالے سے حضرت شیخ الہندؒ کے فکر اور نظریے کو بڑی وضاحت کے ساتھ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ ''جمعیت الانصار'' کے قیام کے موقع پر دارالعلوم دیوبند کا تعارف کراتے ہوئے 1911ء میں لکھتے ہیں:

''میں خیال کرتا ہوں کہ مسلمانوں کی حالت کبھی اس کی اجازت نہیں دیتی کہ ایک جداگانہ دارالعلوم کی بنیاد رکھیں۔ اور اس کے لیے وہ تمام جدوجہد اختیار کریں، جس کے بغیر اس کا قیام دشوار ہے۔ ان کے واسطے جو امر کہ ممکن اور سہل ہے، وہ یہی ہے کہ کسی موجودہ درس گاہ کو دارالعلوم تسلیم کریں۔ اور اس کے اندر جو کمی ہے، اس کو رفع (دور) کر کے مکمل دارالعلوم کے درجے پر پہنچا دیں۔

مدرسہ عالیہ دیوبند نے گزشتہ چھیالیس سال (1866ء تا 1912ء) میں وہ تمام خدمات ادا کی ہیں، جو ایک دارالعلوم کو کرنی چاہئیں۔ اس سے مسلمانوں کو وہی مفاد پہنچے جو ایک دارالعلوم سے پہنچتے ہیں۔ گو مدرسے نے مدعی بن کر اس مسئلے کو کبھی مسلمانوں کے سامنے پیش کر کے تسلیم کرانا نہیں چاہا، مگر وہ اپنی خاموش رفتار میں وہی کام کرتا رہا، جو ایک مرکز سے ہونے چاہئیں تھے۔ اور اس کا اب بھی یہی خیال ہے کہ جہاں تک ممکن ہوگا، اُن تمام مذہبی علوم اور مذہبی کاموں کی تکمیل کرے گا، جن کی مسلمانوں کو ضرورت ہے۔ اور جس حد تک مالی حالت اس کو اجازت دے گی، وہ قدم آگے بڑھاتا جاوے گا، مگر ہماری التجا مسلمانوں سے یہی ہے کہ وہ اپنے مذہبی امراض کو اور ان کے علاج اور طریقۂ علاج کا کما حقہٗ اندازہ کر کے اس کی فکر کریں کہ تمام مذہبی امور کے لیے ایک مکمل دارالعلوم بنا لیں۔ اور اگر وہ ایک مستقل اور جداگانہ مذہبی دارالعلوم نہیں بنا سکتے اور ظاہر ہے کہ نہیں بنا سکتے تو مدرسہ عالیہ دیوبند کی طرف تھوڑی سی التفات کریں، تاکہ وہ بہت جلد اس درجے تک پہنچ جائے۔

مدرسہ عالیہ دیوبند نے تمام مقاصد کی رفتہ رفتہ تکمیل شروع کر دی ہے۔ اور اگر خدا تعالیٰ کو منظور ہے اور توفیقِ الٰہی شاملِ حال ہے تو بہت جلد وہ اس درجے تک پہنچ جائے گا کہ مسلمانوں کو کسی دوسرے دارالعلوم کی حاجت نہ رہے گی۔ جن مقاصد اور مدارج کا اظہار عظیم الشان جلسۂ دستار بندی (۶، ۷، ۸/ ربیع الثانی ۱۳۲۸ھ / 17، 18، 19/ اپریل 1910ء) میں مسلمانوں کے تیس ہزار کے مجمع کے سامنے کیا گیا تھا، بحمداللہ! ان کی تکمیل شروع ہوگئی ہے۔ اگر یہ سب مقاصد پورے اور مکمل ہوگئے اور انشاء اللہ تعالیٰ ہوں گے تو جو نقص تعلیم اور طریقۂ تعلیم و تربیت و تہذیبِ طلبا اور کسبِ مکارمِ اَخلاق میں ہیں، وہ سب رفع (دور) ہو جائیں گے۔ اور حفاظتِ اسلام اور اشاعتِ علوم کی تمام ضرورتیں پوری ہو جائیں گی''۔ (خطبات و مقالات مولانا عبیداللہ سندھیؒ، ص: 94-93، طبع: دارالتحقیق والاشاعت، لاہور)

22۔ حضرت مولانا میاں اصغر حسینؒ: آپؒ ۱۲۹۴ھ / 1877ء حضرت شاہ محمد حسنؒ کے گھر میں دیوبند میں پیدا ہوئے۔ قرآن شریف اور ابتدائی تعلیم اپنے والدِ گرامی سے حاصل کی۔ اس کے بعد ۱۳۱۰ھ / 1892ء دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۲۰ھ / 1902ء میں تعلیم سے

فراغت حاصل کی۔ ۱۳۲۱ھ / 1903ء کے آخر میں حضرت شیخ الہندؒ نے جونپور کی اٹالہ مسجد کے مدرسے کی صدر مدرّسی پر مامور فرمایا، جہاں سات سال تک تشنگانِ علومِ دینیہ اور مسلمانانِ جونپور کو اپنے علوم ظاہری و باطنی سے سرفراز فرماتے رہے۔ ۶، ۷، ۸/ ربیع الثانی ۱۳۲۸ھ / 17، 18، 19/ اپریل 1910ء میں جب دارالعلوم دیوبند میں عظیم الشان جلسۂ دستار بندی ہوا تو اس موقع پر ایک ماہنامہ رسالہ ''القاسم'' جاری کیا گیا تھا۔ اس پر حضرت شیخ الہندؒ نے آپؒ کو جونپور سے بلا کر ''القاسم'' کا ''معتمد المدیر'' مقرر کیا تھا۔ اسی کے ساتھ دارالعلوم دیوبند میں مختلف کتابوں کی تدریس بھی اُن کے سپرد کی گئی تھی۔ ان کے درس میں عموماً تفسیر وحدیث کی کتابیں رہتی تھیں۔

حضرت میاں صاحبؒ کو اپنے بزرگ ماموں حضرت میاں جی منّے شاہ صاحبؒ اور شیخ المشائخ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ سے اجازت وخلافت حاصل تھی۔ ۱۳۶۲ھ / 1943ء کے اواخر میں اپنے متوسّلین کی دعوت پر گجرات تشریف لے گئے تھے۔ راندھیر میں قیام تھا کہ اچانک حرکتِ قلب بند ہوگئی اور ۲۲/ محرم الحرام ۱۳۶۴ھ / 7/ جنوری 1945ء کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور گجرات میں ہی دفن ہوئے۔ (تاریخ دارالعلوم دیوبند، از سیّد محبوب رضوی، ج: 2، ص: 91-90، طبع: ادارہ اسلامیات، لاہور)

حضرت شیخ الہندؒ کا ذیل کا مکتوبِ گرامی حضرت میاں صاحبؒ کے نام اُس موقع کا ہے، جب انھیں ماہنامہ ''القاسم'' دیوبند کے کام کے لیے جونپور سے دیوبند بلایا گیا تھا۔ اس موقع پر انھیں القاسم کا ''معتمد المدیر'' مقرر کیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت میاں صاحبؒ اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں مستقل قیام پذیر ہوگئے تھے۔

ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوریؒ کی حضرت شیخ الہندؒ کے اس مکتوب کے شروع میں یہ تحریر درست نہیں ہے:

''جمعیت الانصار کے دوسرے سالانہ اجلاس (ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ/ اپریل 1912ء) منعقدہ میرٹھ میں ''القاسم'' کی اشاعت کے ساتھ ساتھ ''الرشید'' کے نام سے ایک رسالہ جاری کرنے کا فیصلہ بھی کیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں میاں سیّد اصغر حسینؒ کو خط لکھا گیا۔ میاں صاحبؒ نے اس سلسلے میں بعض تردّدات تحریر فرمائے۔ ان کے جواب اور اصرار میں حضرت شیخ الہندؒ نے یہ مکتوب تحریر فرمایا۔ میاں صاحبؒ نے حضرت شیخ الہندؒ کی درخواست کو قبول فرمالیا۔ چناں چہ رجب ۱۳۳۱ھ (جون 1913ء) سے یہ ماہنامہ (''الرشید'' دیوبند سے) جاری ہوگیا۔ میاں صاحبؒ اس کے مدیر تھے۔ ''القاسم'' رجب ۱۳۲۸ھ سے یہ رسالہ جاری تھا۔ اس کے مدیر پہلے مولانا حبیب الرحمٰن تھے۔ بعدۂ مولانا سراج احمد اس کے مدیر ہوگئے۔ ''القاسم'' سے حضرت میاں صاحبؒ کا تعلق نہ تھا''۔ (شیخ الہند مولانا محمود حسن ایک سیاسی مطالعہ مع سیاسی خطبات وفتاویٰ وخطوط و پیغامات، تالیف: ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری، ص: 102، طبع: مجلس یادگارِ شیخ الاسلام پاکستان)

اس لیے کہ ہمارے پاس ماہنامہ ''القاسم'' دیوبند کی اصل فائل موجود ہے، جس کے پہلے نمونے کے شمارے کے ٹائٹل پر یہ تحریر موجود ہے:

''القاسم''، یعنی اُس علمی، ادبی، مذہبی، اخلاقی، تمدنی، تاریخی رسالے کا نمونہ اور اشتہار جو مولانا اشرف علی صاحب ومولانا حبیب الرحمٰن صاحب اور دیگر مقدس اور مقتدر علما کی سرپرستی میں ان شاءاللہ تعالیٰ عنقریب مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند سے شائع ہوگا۔ عظیم الشان جلسۂ دستار بندی (۶، ۷، ۸/ ربیع الثانی) ۱۳۲۸ھ (17، 18، 19/ اپریل 1910ء) کی تقریب پر خاکسار فقیر سیّد اصغر حسین حسنی حنفی دیوبندی نے رشید احمد انصاری کے اہتمام سے احمدی پریس علی گڑھ میں چھپوا کر شائع کیا''۔ (''القاسم'' نمونے کے شمارے کا ٹائٹل)

پھر اسی شمارے پر اِلتماس کے عنوان سے ''القاسم'' کی طباعت سے متعلق گیارہ بنیادی اُمور حضرت میاں صاحبؒ کی طرف سے یہ تحریر موجود ہے: ''جو صاحب چاہیں وہ اسی وقت جناب مولوی محمد میاں صاحب ناظم الانصار ومعتمد مدرسہ کے پاس (رسالے کی) قیمت جمع فرما کر رسید لے لیں۔ المُلتَمِس: فقیر سیّد اصغر حسین، معتمد مدیر ''القاسم''، مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند ضلع سہارن پور''۔ (''القاسم'' نمونے کا شمارہ، ص: 3، 4) اس کے بعد مسلسل ''القاسم'' کے ہر شمارے میں معتمد المدیر کے طور پر میاں صاحبؒ کا نام موجود ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کے اس مکتوبِ گرامی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے فکر ونظریے اور دارالعلوم دیوبند کی حفاظت کی حضرت شیخ الہندؒ کو بہت فکر تھی۔ اس کے لیے حضرتؒ نے اپنے بااعتماد تلامذہ کو جمع کیا تھا۔ پہلے رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ / 1909ء

میں ''جمعیت الانصار'' کے لیے امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ وغیرہ حضرات کو دیوبند بلایا اور جمعیت الانصار کی چھتری تلے تمام حضرات کو جمع کیا۔ اسی کے تحت جب ماہنامہ ''القاسم'' شائع کرنے کی نوبت آئی تو اپنے ''مخلصین صلحائے لائق'' کو بھی دارالعلوم میں بلا لیا۔ رسالے کے اِجرا کے لیے حضرت میاں صاحبؒ ایسے معتمد افراد کی ضرورت تھی، جیسا کہ اس مکتوبِ گرامی کے الفاظ سے عیاں ہے۔مرتب)

23۔ تمام مکتوبات ماخوذ ہیں: ''سوانح حیات حضرت مولانا سیّد اصغر حسین دیوبندیؒ''، تالیف: مولانا سیّد اختر حسین، صفحات 16 تا 19 و 59-60،طبع: دارالکتب اصغریہ، دیوبند۔

24۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلّی: آپؒ مولانا عبدالوہاب فرنگی محلّی کے بیٹے تھے۔۱۰/ربیع الثانی ۱۲۹۵ھ / 14/اپریل 1878ء میں بہ مقام لکھنؤ پیدا ہوئے۔ فرنگی محل کے علمائے متأخرین میں وہ مولانا عبدالحئی فرنگی محلّی (1848ء - 1886ء) کے بعد سب سے زیادہ نمایاں شخصیت تھے۔لکھنؤ میں اپنے والد، مولانا عبدالحئی، مولانا عین القضاۃ سے تحصیلِ علمی کے علاوہ عراق وشام اور حجاز کے علما کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ دین اور سیاسیات کے مجموع البحرین اور نہایت مخلص و بے ریا شخص تھے۔ خلافت کمیٹی اور جمعیت علمائے ہند کے بانیوں میں تھے۔ ''انجمن خدامِ کعبہ'' کا قیام، تصور سے عمل تک آپ ہی کے ذوقِ ملّی کی کارفرمائی تھی۔تحریکِ خلافت کے صفِ اوّل کے رہنماؤں میں تھے۔مختلف علوم وفنونِ اسلامی میں اسّی سے زیادہ تصانیف یادگار ہیں۔ 20/جنوری 1926ء کو لکھنؤ میں انتقال ہوا۔

انجمن خدامِ کعبہ کے بارے میں آپ کے نام حضرت شیخ الہندؒ کا ایک خط یادگار ہے۔ انجمن خدامِ کعبہ کا قیام مئی 1913ء میں عمل میں آیا تھا اور اسی ماہ کے آخر میں یا جون کے شروع میں مولانا عبدالباری علیہ الرحمہ نے وقت کے علما و مشائخ سے ملاقاتوں اور اسی باب میں مشورے کے لیے ہندوستان کے مختلف شہروں کا سفر اختیار کیا تھا۔ اسی سلسلے میں مولانا فرنگی محلّی نے دیوبند کے سفر کی زحمت فرمائی تھی، لیکن حضرتؒ سے ملاقات نہ ہوسکی تھی تو خط تحریر کیا۔ حضرتؒ نے اسی خط کے جواب میں درجِ ذیل مکتوب ارسال فرمایا تھا۔

25۔ مولانا حاجی محمد احمد بزرگ سورتی: آپ ۱۲۹۸ھ یا ۱۲۹۹ھ / 1881ء یا 1882ء میں گجرات کے مقام سملک میں پیدا ہوئے۔ محمد احمد نام تھا اور بچپن ہی میں ''بزرگ'' لقب پڑ گیا تھا۔ اپنے وطن میں ابتدائی اُردو پڑھی اور قرآن شریف ختم کیا۔ پھر فارسی اور عربی کی تعلیم لاج پور کے مدرسے میں چار سال رہ کر حاصل کی۔ ۱۳۱۸ھ / 1901ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۳۲۱ھ / 1903ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ دورۂ حدیث حضرت شیخ الہندؒ سے پڑھا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بیعت کا شرف حاصل کیا اور تقریباً ایک سال تک اُن کی خدمت میں رہ کر ذکر وشغل اور ریاضت ومجاہدے میں مشغول رہے۔ حضرت گنگوہیؒ کی وفات (۱۳۲۳ھ / 1905ء) کے بعد اپنے وطن چلے گئے اور کچھ مدت کے بعد جنوبی افریقا چلے گئے۔

۱۳۳۵ھ / 1917ء میں ''جامع مسجد سورتی''، رنگون میں مفتی مقرر ہوئے اور تین سال تک وہاں اِفتا کے ساتھ وعظ اور درسِ قرآن کا فیض پہنچایا۔ ۱۳۳۹ھ / 1920ء میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے مہتمم بنائے گئے۔ علمی قابلیت کے علاوہ انتظامی صلاحیتیں بھی تھیں۔ حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد اور بڑے مخلص بزرگ تھے۔ چناں چہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ نے ۱۳۶۹ھ / 1931ء میں موصوف کو مجازِ طریقت بنا کر ڈابھیل سملک کے ایک مجمع عام میں اعلان فرما کر خلافت سے سرفراز فرمایا تھا۔ ۵/ربیع الاوّل ۱۳۷۱ھ / 4/دسمبر 1951ء کو اس جہانِ فانی سے آپؒ نے رحلت فرمائی۔ (تاریخ دارالعلوم دیوبند، از سیّد محبوب رضوی، ج:2،ص:97-96)

حضرت شیخ الہندؒ کے چھ مکتوباتِ گرامی آپؒ کے نام یادگار ہیں۔

26۔ جامع ترمذی، حدیث: 2559۔

27۔ 57-الحدید:4۔

28۔ 9-التوبہ:120۔

29۔ بچوں کے انتقال پر جنازے کی دعا کے الفاظ کی طرف اشارہ ہے:

''اللّٰھمّ اجعلہُ لنا فرطاً، و اجعلہُ لناً اجراً و ذُخراً، و اجعلہُ لنا شافِعاً و مشفَّعاً''۔

30۔ مرزا عبدالقادر بیدل دہلوی کا یہ شعر اس طرح سے ہے:

من نمی گویم زیاں کن یا بہ فکرِ سود باش
اے ز فرصت بے خبر در ہر چہ باشی زود باش
(میں نہیں کہتا کہ تُو نقصان اُٹھا ، یا فائدے کی فکر میں رہ
اے وقت کی کمی سے بے خبر! جو کرنا ہے، جلد کر)

حضرت شیخ الہندؒ نے اس خط میں دوسرے مصرعے کو قدرے تصرف کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔

(مکمل غزل کے لیے ملاحظہ ہو! بیدل عظیم آباد، مرتب: خاور حسن قادری، ص: 49، دہلی، 2010ء)

31۔ حضرت شیخ الہندؒ کی اولاد کے سلسلے میں حضرت میاں سیّد اصغر حسین تحریر فرماتے ہیں:

''ابتدا میں ایک صاحبزادے اور کئی صاحبزادیوں کا بہت چھوٹی عمر میں انتقال ہوگیا۔ صرف چار صاحبزادیاں بڑی ہوئیں، جن کی شادیاں اور نکاح ہوئے۔ پہلی (بڑی) صاحبزادی کا نکاح حضرتؒ کے بڑے بھانجے مولوی محمد حنیف صاحب سے ہوا۔ اُن کے کئی بچے صغیر سن میں انتقال کرگئے۔ پھر خدا تعالیٰ کے فضل سے عثمان اور پیارا دو فرزند اور ایک لڑکی خدا تعالیٰ نے عطا فرمائی۔ حضرت شیخ الہندؒ نے شادی کے بعد ان صاحبزادی کو اپنے مکان ہی پر رکھ لیا تھا اور مولوی محمد حنیف صاحب کو مثل بیٹے کے سمجھتے رہے۔ یہ صاحبزادی حضرتؒ کے سفر اور (مالٹا میں) نظربندی سے پہلے انتقال فرما گئی تھیں۔ حضرتؒ ان کی آخری بیماری میں نہایت پریشان اور غمگین نظر آتے تھے، لیکن وفات کے بعد ایک عجیب سکون ہوگیا تھا۔ اگرچہ قلبی رنج والم کچھ کم نہ تھا۔ صاحبزادی کی وفات کے بعد بھی حضرت شیخ الہندؒ کی شفقت داماد اور نواسوں پر بدستور رہی۔ اور نکاح ثانی ہوجانے کے بعد بھی اُن کو مع اہل و عیال اپنے مکان پر شریکِ حال رکھا اور سعادت مند بھانجے نے بھی اخیر عمر تک حضرتؒ کو اپنے نیازمندانہ طرز سے خوشنود رکھ کر دین و دنیا کی سرخروئی حاصل کی''۔

(حیاتِ شیخ الہند از میاں سیّد اصغر حسین، ص: 203-202، طبع: ادارہ اسلامیات، لاہور)

32۔ غالبًا مولانا احمد بزرگؒ نے حضرت شیخ الہندؒ سے امام مزنیؒ کے بارے میں معلوم کیا ہوگا، اس پر حضرت شیخ الہندؒ نے وضاحت کی۔

امام مزنیؒ کا تعارف: ان کا نام ابوابراہیم اسماعیل بن یحییٰ بن اسماعیل بن عمرو بن مسلم الـمُزَنِی۔ اصل میں یہ مصر سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی پیدائش ۱۷۵ھ (791ء) میں ہوئی۔ آپؒ کا تعلق قبیلۂ مُـزَیـنہ سے تھا۔ آپؒ حضرت امام شافعیؒ کے شاگرد ہیں۔ بڑے متقی، پرہیزگار، پختہ عالم، مجتہد اور شافعی مذہب کے ماننے والوں کے امام ہیں۔ امام شافعیؒ کے فتاویٰ اور اُن کے طریقۂ فقہ کو سمجھنے والے ہیں۔ انھوں نے امام شافعیؒ کے مذہب پر کئی کتابیں لکھی ہیں، جن میں ''**الجامع الکبیر**''، ''**الجامع الصّغیر**''، ''**مختصر المختصر**''، ''**المنثور**''، ''**المسائل المعتبرۃ**''، ''**التّرغیب فی العلم**'' اور ''**کتاب الوثائق**'' وغیرہ کتابیں شامل ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ: ''مزنیؒ میرے مذہب کے مددگار ہیں۔ اگر یہ شیطان کو دیکھ لیں تو اس پر غالب آجائیں''۔ ان کا انتقال ۲۴؍ رمضان ۲۶۴ھ (31؍ مئی 878ء) میں مصر میں ہوا اور امام شافعیؒ کی قبر کے قریب ''قرافۂ صغریٰ'' میں دفن ہوئے۔

(**وفیات الاعیان و ابناءُ ابناءِ الزّمان**، از ابن خلّکان، ج: 1، شخصیت نمبر: 93، ص: 218-217)

33۔ اس خط میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے تیسرے سفرِ ہند کے بعد واپسی مدینہ منورہ (۱۳۳۱ھ/ 1913ء) کی طرف اشارہ ہے۔ اگلے خط میں اشارہ حضرت شیخ الاسلامؒ کے مکہ مکرمہ بہ خیریت پہنچ جانے کی اطلاع ہے۔ (شاہجہانپوری)

34۔ سینٹ کلیمنٹ براکس: حضرت شیخ الہندؒ اور اُن کے رُفقا کو مالٹا کے اس کیمپ میں قید رکھا گیا تھا۔ اس کے حوالے سے حضرت مولانا سیّد حسین

احمد مدنیؒ لکھتے ہیں: ''مالٹا ایک بڑا قلعہ ہے، جو قدیم زمانے میں پہاڑ کھود کر بنایا گیا ہے۔ اور نہایت مستحکم اس کی دیواریں اور خندقیں وغیرہ ہیں۔ اس میں علاوہ وسیع میدان کے مختلف عمارتیں بھی پُرتکلف اور آرام دہ بنی ہوئی ہیں۔ یہ قلعہ حقیقت میں فوج اور افسروں کے رہنے کے لیے بنایا گیا تھا اور جنگی ضرورتیں بھی اس میں محفوظ تھیں۔ ہر وقت ایک بڑی مقدار سپاہیوں اور افسروں کی یہاں رہتی تھی۔ ایامِ جنگ میں جب کہ خوف ناک اسیروں کے لیے نہایت محفوظ مقام کی ضرورت ہوئی، اُس وقت اس قلعے کو خالی کرا لیا گیا۔ اس میں کانٹے دار تاروں کے ذریعے سے چند حصے کر لیے گئے اور ہر ایک حصے کے لیے ضروریات مہیا کر دی گئیں۔ نام اور سکان بھی تجویز کر دیے گئے۔ روگیٹ کیمپ، سینٹ کلیمت یا جرمن کیمپ، بلغار کیمپ، روم کیمپ، سینٹ کلیمت براکس یا عرب کیمپ، درداله براکس، دال فرسٹہ نیودردالہ'' ...۔

حضرت مدنیؒ نے ان کیمپوں کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ سینٹ کلیمنٹ براکس یا عرب کیمپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یہ مسلمان سویلین اور فوجی معمولی لوگوں کے لیے مخصوص تھا۔ یہ نیچائی میں واقع تھا۔ بہت سی سیڑھیاں اُتر کر آنا ہوتا تھا۔ اس میں سب عمارتیں تھیں۔ دو چار خیموں کی بھی جگہ تھی۔ اس کے متعلق سیر کے لیے ایک پہاڑ تھا، جو کہ فضا کی جگہ تھی۔ اس کی عمارتیں اچھی تھیں، مگر نیچائی میں ہونے کی وجہ سے و نیز دوسرے بڑے درجے کے کمروں کی طرح آرام کے اسباب نہ ہونے کی وجہ سے یہاں پر افسروں کو نہیں رکھا جاتا تھا''۔ (سفر نامہ اسیرِ مالٹا، از مولانا سیّد حسین احمد مدنی، ص: 115-114، طبع: مکی دارالکتب، لاہور)

35۔ نمبر ۲۲۱۹: یہ حضرت شیخ الہندؒ کا اسارت نمبر تھا۔ حضرت مدنیؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں: ''قیدیوں کو جب مالٹا میں داخل کیا جاتا تھا تو ان کو ایک کاغذ ان کے نمبر کا دے دیا جاتا تھا، تا کہ بوقتِ ضرورت تمیز ہو سکے۔ چناں چہ ہمارے ساتھ بھی یہی کیا گیا۔ ہمارے نمبر حسبِ ذیل تھے: مولوی عزیر گل صاحب نمبر 2215، حکیم نصرت حسین صاحب نمبر 2216، حسین احمد نمبر 2217، وحید احمد نمبر 2218، حضرت مولانا (شیخ الہند) مرحوم نمبر 2219''۔ (سفر نامہ اسیرِ مالٹا، ص: 125)

36۔ مولانا حکیم محمد حسنؒ: آپؒ حضرت شیخ الہندؒ کے چھوٹے بھائی تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ چار بھائی تھے۔ حکیم محمد حسن حضرتؒ سے چھوٹے تھے اور دیگر اُن سے بھی چھوٹے تھے۔ شروع سے آخر تک دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی۔ حکیم صاحبؒ نے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے حدیث پڑھی تھی۔ ۱۲۹۵ھ / 1878ء میں تعلیم سے فارغ ہوئے۔ اس کے بعد حکیم عبدالمجید خاں دہلویؒ سے طب کی تکمیل کی۔ اور حضرت شیخ الہندؒ سے مختلف علوم میں استفادہ کیا تھا۔ حضرت اقدس گنگوہیؒ سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ ۱۳۰۲ھ / 1885ء میں دارالعلوم میں عربی کے مدرّس اور طبیب کی حیثیت سے تقرر ہوا اور تعلیم و مطب کا کام سپرد ہوا۔ طلبائے دارالعلوم کو طب کی تعلیم کے ساتھ تفسیر، حدیث اور فقہ کی اعلیٰ کتابیں بھی پڑھاتے رہے۔ دارالعلوم دیوبند میں 43 سال تک علمی اور طبی خدمات سرانجام دینے کے بعد ۱۵ ربیع الاوّل ۱۳۴۵ھ / 23 ستمبر 1926ء کو دیوبند میں انتقال ہوا۔ حکیم صاحب کے نام حضرت شیخ الہندؒ کے دو مکتوب ہیں؛ ایک عربی میں اور ایک اُردو میں لکھا ہوا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے! تاریخ دارالعلوم دیوبند، ج: 2، ص: 49-48)

37۔ کلیاتِ ذوق، از محمد ابراہیم ذوق دہلوی، مرتبہ: ڈاکٹر تنویر احمد علوی، ص: 220، طبع: مجلس ترقیٔ ادب لاہور، 1967ء۔

38۔ نقشِ حیات، از مولانا حسین احمد مدنیؒ، ج: 2، ص: 233۔

39۔ دیوان طرفہ بن العبد، از طرفہ بن العبد، شرح: مہدی محمد ناصر، ص: 29، طبع: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 2002ء۔

یہ شعر زمانۂ جاہلیت کے شاعر طرفہ بن العبد (569ء - 543ء) کا ہے۔ فخرِ کائنات آں حضرت ﷺ نے ایک بار اس شعر کو پڑھ کر صحابہ کرامؓ کو آنے والے زمانے کے بارے میں مطلع کیا۔ حضرت شیخ الہندؒ نے بھی مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں یہی شعر لکھ کر بتایا ہے کہ آنے والے وقت میں ایسی خبریں ملیں گی کہ جن کی قیمت بھی ادا نہیں کرنا پڑے گی اور ہم اسے پہلے جانتے بھی نہ ہوں گے۔

40۔ یہ سورت النساء کی آیت 104 ہے، جس میں دشمن کے مقابلے پر ہمت نہ ہارنے اور ان کا پیچھا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پوری آیت یہ ہے:

وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

عَلِيْمًا حَكِيْمًا (4- النساء: 104) (اور ہمت نہ ہارو ان کا پیچھا کرنے سے، اگر تم بے آرام ہوتے ہو تو وہ بھی بے آرام ہوتے ہیں جس طرح تم ہوتے ہو، اور اللہ سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے)۔

اس پر حضرت شیخ الہندؒ یہ فائدہ تحریر فرماتے ہیں: ''یعنی کفار کی جستجو اور اُن کے تعاقب میں ہمت سے کام لو اور کوتاہی نہ کرو۔ اگر تم کو اُن کی لڑائی سے زخم اور درد پہنچا ہے تو اس تکلیف میں تو وہ بھی شریک ہیں۔ اور آئندہ تم کو حق تعالیٰ سے وہ اُمیدیں ہیں، جو اُن کو نہیں۔ یعنی دنیا میں کفار پر غلبہ اور آخرت میں ثوابِ عظیم۔ اور اللہ تعالیٰ تمھارے مصالح اور تمھارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔ اُس کا جو حکم ہے، اُس میں تمھارے لیے بڑے منافع اور حکمتیں ہیں۔ دین اور دُنیا دونوں کے لیے۔ سو اُس کے امتثال (حکم کی پابندی کرنے) کو غنیمت اور بڑی نعمت سمجھو''۔ (موضح الفرقان، سورت النساء)

41۔ نواب رشیدالدین خاںؒ: آپؒ حضرت مولانا قاضی محی الدین احمد قاضی ریاست بھوپال کے صاحبزادے ہیں۔ ان کے دادا کا نام نواب شیر علی خاں تھا، جو بہادر شاہ ظفر کے خاص مصاحبین میں سے تھے۔ قاضی محی الدینؒ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے مخصوص تلامذہ اور جلیل القدر علما میں سے تھے۔ 1857ء میں شاملی کے معرکے میں حضرت نانوتویؒ نے ان کے والدِ گرامی نواب شیر علی خاں کے ذریعے ہی بہادر شاہ ظفر کو جدوجہدِ آزادی کے حوالے سے اپنی تجاویز پہنچائی تھیں۔ قاضی صاحبؒ ۱۳۳۳ھ/ 1915ء میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رُکن منتخب ہوئے اور وفات تک مجلس شوریٰ میں خدمات سرانجام دیتے رہے۔ ان کا انتقال ۱۳۴۷ھ/ 1928ء میں ہوا۔ (تاریخ دارالعلوم دیوبند، از سیّد محبوب رضوی، ج 2، ص 27، طبع: ادارہ اہتمام دارالعلوم دیوبند، یو۔ پی، طبع اوّل 1978ء)

''ریشمی خطوط ڈائریکٹری'' میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر ہے: ''قاضی محی الدین احمد خاں قاضی ریاست بھوپال تھا۔ وہ مراد آباد (یو۔ پی) کے نواب شیر علی خاں کا لڑکا تھا۔ اس کو ''نواب محی الدین'' بھی کہا جاتا ہے۔ وہ مولانا محمود حسن کا دیوبند میں ہم سبق تھا۔ اس وقت ان کے درمیان بڑی گہری دوستی ہے۔ ایم محمود حسن کی باغیانہ سرگرمیوں سے اس کا بڑا گہرا تعلق تھا اور سازشِ جہاد کا رُکن تھا۔ جب مولانا مکہ روانہ ہوئے تو ان کو رخصت کرکے بمبئی گیا تھا۔'' (تحریکِ ریشمی رومال ڈائریکٹری، شخصیت نمبر 185، ص 468)

ان کے دادا نواب حاجی رفیع الدین خاں حضرت شاہ ولی اللہؒ کے شاگرد اور اپنے وقت کے مشہور عالم اور مصنف تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کو یہ خاندان اور اس کے اصاغر و اکابر بہت عزیز تھے۔ حضرتؒ کا ایک خط ان کے صاحبزادے کے نام یادگار ہے۔ اندازہ ہے کہ دراصل یہ خط قاضی محی الدین صاحبؒ کے نام ہے، جو اُن کے صاحبزادے کے نام پر لکھا گیا ہے۔

42۔ رضا و شجاع: غالبًا یہ دونوں قاضی محی الدین صاحب کے چھوٹے صاحبزادگان کے نام ہیں۔

43۔ **مدرسۃُ الغربا**: اس سے مراد جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد ہے۔ اس کا پہلا نام ''مدرسۃ الغرباء قاسم العلوم'' تھا۔ اس کی بنیاد حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے رکھی تھی۔ دارالعلوم دیوبند کے قیام کے کچھ عرصے بعد ہی اس کا قیام عمل میں آیا تھا۔ اس کے اربابِ اہتمام اور صدر المدرّسین کا انتخاب دارالعلوم دیوبند کے بزرگان ہی کیا کرتے تھے۔ جمعیت الانصار دیوبند کے قیام 1927ء کے بعد تمام مدارس کا اِلحاق دارالعلوم دیوبند کے ساتھ کیا گیا۔ اس موقع پر مدرسہ شاہی کا باقاعدہ الحاق بھی دارالعلوم دیوبند کے ساتھ کیا گیا۔

حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے اس خط میں ''مدرسۃ الغرباء میں مہتمم'' کے نام سلام لکھا ہے۔ اس زمانے میں مدرسہ شاہی کے مہتمم حضرت مولانا محمد حسن نواب پوری مرادآبادیؒ تھے۔ آپ پندرہ سال (۱۳۲۵ھ / 1907ء سے ۱۳۴۱ھ / 1923ء) تک مدرسہ شاہی کے مہتمم رہے۔ (ماہنامہ ندائے شاہی کا تاریخ شاہی نمبر، شمارہ: نومبر دسمبر 1992ء، مرتبہ: مفتی محمد سلمان منصور پوریؒ، ص: 60-359، طبع: مرادآباد، انڈیا)

44۔ حافظ زاہد حسین امروہویؒ: آپؒ کی پیدائش محلّہ دربار کلاں امروہہ میں ۱۳۰۰ھ / 1883ء میں ہوئی۔ عربی و فارسی کی کتب میرٹھ میں پڑھیں۔ ملازمت کے سلسلے میں رانی کھیت میں قیام رہا۔ ابتدا میں شاہ ابوالخیر دہلویؒ کے ہاتھ پر بیعت تھے۔ بعد میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی طرف رجوع کیا۔ ان سے مجاز بھی ہوئے۔ اسی دوران حضرت شیخ الہندؒ سے تعارف ہوا اور اُن سے انتہا درجے کی

عقیدت کا تعلق ہو گیا۔ حضرت شیخ الہندؒ کے خطوط اس تعلق کو ظاہر کرتے ہیں۔ ۱۳۶۰ھ / 1942ء میں اس جہان فانی سے کوچ فرمایا۔ ان کے نام حضرتؒ کے دو مکتوبِ گرامی درج ذیل ہیں۔

(بزمِ اشرف کے چراغ از پروفیسر احمد سعید، ص: 119، طبع: مکتبہ احیاء العلوم اشرفیہ، لاہور 1975)

45۔ منشی حمید الدین صاحب سنبھلی حضرت نانوتویؒ کے متوسلین میں سے تھے۔ (تذکرہ شیخ الہند، از مفتی عزیز الرحمٰن بجنوریؒ، ص: 416)

46۔ مولانا سے مراد حضرت مولانا احمد حسن امروہوی (م: ۱۳۳۰ھ / 1912ء) ہیں، جو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے اجل تلامذہ میں سے ہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے۔ ان کے صاحبزادے مولانا قاری سیّد محمد رضوی عرف مولانا بنّے میاں تھے۔

47۔ حضرت مولانا احمد حسن محدث امروہی کے صاحبزادے قاری بنّے میاں صاحب ہیں۔ (تذکرہ شیخ الہند، از مفتی بجنوریؒ، ص: 416)

48۔ مولانا حکیم عبدالرشید محمود گنگوہیؒ عرف ''ننھو میاں'': (آپؒ حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے پوتے اور مولانا حکیم مسعود احمد کے صاحبزادے تھے۔ آپؒ کی پیدائش ۱۵رمحرم الحرام ۱۳۲۷ھ / 6رفروری 1909ء کو گنگوہ میں ہوئی۔ حضرت شیخ الہندؒ ایک دفعہ گنگوہ تشریف لائے تو محبت سے آپؒ نے انھیں ''ننھو میاں'' کے نام سے پکارا۔ اس کے بعد اس عرف کے ساتھ مشہور ہو گئے۔ ابتدائی تعلیم گنگوہ میں حاصل کی اور پھر دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو کر تعلیم حاصل کی۔

آپؒ کو حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ اور حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے علوم و افکار سے بڑا گہرا تعلق تھا۔ ہمارے دورۂ حدیث کے سال حضرت حکیم صاحب اپنے صاحبزادے سے ملنے کے لیے کراچی تشریف لائے تھے اور دارالحدیث جامعہ علومِ اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں ہم طلبا سے خطاب فرمایا تھا، جس میں شاہ صاحبؒ کی بے شمار عربی اور فارسی عبارتیں زبانی سنا کر شاہ صاحبؒ کے فکر و نظریے کو خوب اچھی طرح سے واضح کیا تھا۔ عصر کے بعد کی مجلس میں ہم گلشن اقبال کراچی میں اُن کے مکان پر حاضر ہوتے تھے تو اس موقع پر بھی شاہ صاحبؒ کے افکار خوب بیان کرتے تھے۔ اس کے علاوہ راقم سطور کو حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی معیت میں گنگوہ کی حاضری میں شرفِ ملاقات حاصل ہوا۔ اس ملاقات میں حضرت حکیم صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ: ''ہمارے زمانے میں دارالعلوم دیوبند میں کسی بھی فن کی کوئی بھی کتاب پڑھائی جاتی تو اختلافی مسائل میں علما کی مختلف آرا پیش کرنے کے بعد آخری اور حتمی رائے حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی بیان کی جاتی تھی۔ آج کل طلبا کو شاہ صاحبؒ کے علوم و معارف سے مناسبت نہیں رہی۔ طلبا ہی کیا، اساتذۂ کرام بھی ولی اللّٰہی سلسلے کے علما کے علوم و افکار سے پوری طرح واقف نہیں ہیں''۔ بہت نفیس اور عمدہ ذوق رکھنے والے بزرگ تھے۔ آپؒ کا انتقال ۲۱رشوال ۱۴۱۵ھ / مارچ 1995ء کو گنگوہ میں ہوا اور مقبرۂ گنگوہی میں تدفین ہوئی۔

(تذکرہ اکابرِ گنگوہ، از مفتی خالد سیف اللہ، ص: 450 و 461، طبع: شریفیہ بک ڈپو گنگوہ، ضلع سہارن پور، انڈیا)

حضرت شیخ الہندؒ کے ذیل میں درج اس مکتوب میں حضرت حکیم ننھو میاںؒ کے والدِ گرامی حضرت مولانا حکیم مسعود احمد گنگوہیؒ کا بھی تذکرہ ہے۔ آپؒ حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے بڑے صاحبزادے تھے۔ ان کا انتقال ۱۳۵۰ھ / 1932ء میں ہوا اور مقبرۂ گنگوہی میں مدفون ہیں۔

49۔ 14- ابراہیم: 20۔

50۔ 30- الروم: 41۔

51۔ مولوی سعید سلّمہٗ: غالباً ان سے مراد مولانا سعید احمد ہیں، جو حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے دوسرے صاحبزادے محمود احمد کے بیٹے تھے۔ ان کی ولادت ۲۶رربیع الاوّل ۱۳۱۰ھ / 20راکتوبر 1892ء کو ہوئی تھی۔ دارالعلوم دیوبند سے تعلیم حاصل کی۔

(تذکرۃ الرشید، از مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ، ج: 2، ص: 338، طبع: مکتبہ مدنیہ، لاہور)

52۔ حافظ محمد یعقوب: یہ حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی صاحبزادیٔ محترمہ صفیہ خاتون کے بڑے صاحبزادے حافظ محمد یعقوب صاحب

ہیں۔ ان کی ولادت ماہ رجب ۱۲۹۵ھ / جولائی 1878ء میں ہوئی۔ (تذکرۃ الرشید، ج: 2، ص: 337)

53۔ مولوی عزیزالدین ہوشیار پوریؒ: مکتوب الیہ مدرسہ عربیہ قصبہ گلاؤٹھی ضلع بلندشہر کے طالبِ علم تھے۔ مکتوبِ گرامی پر پوسٹ آفس دیوبند سے روانگی کی مہر 8/ستمبر 1915ء کی ہے اور پوسٹ آفس گلاؤٹھی میں پہنچنے کی مہر 10/ستمبر 1915ء کی ہے۔ حضرتؒ نے یہ خط سہ شنبہ کو تحریر فرمایا تھا اور سہ شنبہ کو 7/ستمبر 1915ء مطابق ۲۷/شوال ۱۳۳۳ھ تاریخ تھی۔

54۔ مولانا سعید احمد دیوبندی: یہ حضرت شیخ الہندؒ کے عزیزان میں سے ہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ کا یہ مکتوب سفرِ حجاز کے دوران کا ہے اور یقیناً 1916ء کا ہے۔ ان کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

55۔ 2-البقرہ: 207۔

56۔ قاضی مظہر حسینؒ: ان کے حالات معلوم نہیں ہو سکے، البتہ خط کے مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید یہ حضرت شیخ الہندؒ کے اعزہ میں سے ہیں۔ حضرتؒ نے اس مکتوبِ گرامی میں ان کی اہلیہ کے انتقال پر ان سے تعزیت کی ہے۔

57۔ مولانا محمد حنیف دیوبندیؒ: آپؒ حضرت شیخ الہندؒ کے بڑے بھانجے اور حضرتؒ کے داماد تھے۔ حضرتؒ کی بڑی صاحبزادی اُم ہانی کی شادی ان سے ہوئی تھی۔ حضرت شیخ الہندؒ نے شادی کے بعد ان صاحبزادی کو اپنے مکان ہی پر رکھ لیا تھا اور مولوی محمد حنیف صاحب کو مثل بیٹے کے سمجھتے رہے۔ یہ صاحبزادی حضرتؒ کے سفر اور (مالٹا میں) نظر بندی سے پہلے انتقال فرما گئی تھیں۔ اُن کے کئی بچے صغیر سن میں انتقال کر گئے۔ پھر خدا تعالیٰ کے فضل سے مولانا محمد عثمان دیوبندی پیدا ہوئے تھے۔ حضرتؒ ان سے بہت محبت فرماتے تھے۔ مولانا محمد حنیف صاحبؒ نے حضرت شیخ الہندؒ کی بہت خدمت کی تھی۔ مالٹا میں گرفتاری کے زمانے میں حضرتؒ نے ان کے نام کئی خطوط لکھے۔

58۔ بوستانِ سعدی، از شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی، باب دوم؛ در احسان، ص: 85، طبع: شبیر برادر، لاہور، 2017ء۔

59۔ حضرت مولانا سیّد عبدالغفور سیوہارویؒ: آپؒ ضلع بجنور کے مشہور قصبے سیوہارہ کے رہنے والے تھے۔ آپؒ کے والدِ محترم کا نام سیّد امیر علی بن احمد علی بن سیّد محمد ماہ (عرف چاند) تھا۔ وہ اپنے علاقے کے نامور عالمِ دین اور بزرگ تھے۔ آپؒ کی پیدائش 1870ء میں ہوئی۔ آپؒ مولانا سیّد احمد حسن محدث امروہویؒ اور مولانا آفتاب علیؒ (تلمیذِ رشید مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ) کے خاص تلامذہ میں سے ہیں۔ موصوف نے محدث امروہوی کی چند تقاریر بھی نقل کی ہیں۔ جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پھر دارالعلوم دیوبند سے تعلیم مکمل کی۔ دیوبند سے فراغت کے بعد ریاست پٹیالہ میں قیام فرما ہوئے اور تعلیم و تعلّم کا سلسلہ جاری کیا۔ ریاست دانا پور میں بھی آپؒ دعوت و تربیت سے منسلک رہے۔ اس کے بعد مدرسہ فیضِ عام سیوہارہ میں صدر مدرّس کے طور پر خدمات سرانجام دیتے رہے۔ آپؒ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کی تقریر میں مہارت انھیں موصوف کی محنتوں ہی کا نتیجہ تھی۔ آپؒ کا انتقال 1953ء میں علی گڑھ میں ہوا۔ (دیکھئے! ''مکتوبات سیّد العلماء'' (مولانا احمد حسن امروہویؒ)، مرتبہ: نسیم احمد فریدی، ص: 32، طبع: ادارۂ اہتمام جامعہ اسلامیہ عربیہ، جامع مسجد امروہہ، 1990ء)

حضرت شیخ الہندؒ کے اس مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؒ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے مرید تھے۔ حضرت رائے پوریؒ کے وصال کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کی ہندوستان تشریف آوری کے بعد انھوں نے حضرت شیخ الہندؒ سے رجوع کیا تھا۔ ان کے خط کا جواب حضرت شیخ الہندؒ نے تحریر فرمایا، جس میں شیخ الہندؒ نے آپؒ کو حضرت رائے پوریؒ کے بتلائے ہوئے معمولات کی پابندی کا حکم دیا۔

60۔ صحیح بخاری، حدیث: 744۔

61۔ مولانا حافظ حبیب الرحمٰن سیوہارویؒ: آپؒ کا تعلق محلّہ چوہدریاں سیوہارہ سے تھا۔ آپؒ کے والد چوہدری حافظ محمد مختار احمد سیوہارویؒ حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کے انتہائی معتقد تھے اور حضرت شیخ الہندؒ سے بھی گہرا تعلق تھا۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ سے اس وقت بیعت ہوئے، جب آپؒ مالٹا سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ مولانا حاجی حبیب الرحمٰن سیوہارویؒ

www.rahimia.org

بھی حضرت شیخ الہندؒ کے معتقدین میں سے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے وصال کے بعد حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ سے اپنا تعلق برقرار رکھا۔ (مکتوباتِ شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ، مرتبہ: نجم الدین اصلاحی، ج:2، ص:310، طبع: مکتبہ دینیہ، دیوبند)

یہ مکتوبِ سامی ''مکتوباتِ شیخ الاسلام'' کے دیباچے سے نقل کیا جاتا ہے۔ مرتب و دیباچہ نگار مولانا نجم الدین اصلاحی نے لکھا ہے کہ انھوں نے اصل مکتوب دیکھا ہے۔ اس پر یہ دونوں شعر حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کے قلم سے لکھے ہوئے ہیں۔ (دیباچہ مکتوباتِ شیخ الاسلام، مرتبہ: حضرت مولانا نجم الدین اِصلاحی، ج:2، ص:12، 13، طبع: مجلس یادگارِ شیخ الاسلام، کراچی) تبرکاً یہ دونوں شعر بھی اس طرح رہنے دیے گئے ہیں۔

(مولانا رومؒ ''مثنوی رومی'' میں ایک تاجر کے پنجرے میں قید طوطی کی زبانی یوں اظہارِ خیال کرتے ہیں ؎)

گفتش آن طوطی کہ آں جا طوطیاں
چوں بہ بینی کن ز حال من بیاں
کہ فلاں طوطی کہ مشتاقِ شما است
از قضائے آسماں در حبسِ ما است

(اُس طوطی نے (تاجر سے) کہا کہ وہاں (میری طرح کی) طوطیاں ہیں
جب تم اُن کو دیکھو تو اُن سے میرا حال بیان کرنا
اور کہنا کہ فلاں طوطی تم سے ملاقات کا شوق رکھتی ہے
لیکن آسمانی فیصلے کے مطابق وہ ہماری قید میں ہے)

(مثنوی مولانا روم، دفتر اوّل، ص:169، طبع: سب رنگ کتاب گھر، دہلی)

حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ ان اشعار کے ذریعے مولانا رومؒ کی بیان کردہ حکایت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ اس حکایت میں مولانا روم ایک سوداگر کا بیان فرما رہے ہیں کہ جو ہندوستان تجارت کی غرض سے جاتا ہے اور جانے سے قبل اپنے غلام اور لونڈی کے ساتھ ساتھ اپنی پالتو طوطی سے پوچھتا ہے کہ تمھارے لیے ہندوستان سے کیا لاؤں؟ تو وہ طوطی ان بیان کردہ اشعار میں اپنا مدعا بیان کرتی ہے۔ حضرت مدنیؒ کا اشارہ اس تاریخی حقیقت کی طرف ہے کہ انگریز تاجر ہندوستان آ کر اس خطے کے انسانوں کو غلام بناتے ہیں۔ اس طرح ان اشعار کے ذریعے سے انھوں نے اپنی اور حضرت شیخ الہندؒ وغیرہ کی اسارتِ مالٹا کی طرف تلمیح کی ہے۔

62۔ بوستانِ سعدی، از شیخ سعدی شیرازیؒ، ص:44۔ شیخ سعدیؒ کا پورا شعر اس طرح سے ہے ؎

چناں قحط شد سالے اندر دمشق
یاراں فراموش کردند عشق
(دمشق میں ایک سال ایسا قحط پڑ گیا کہ
اس کی وجہ سے دوست احباب عشق کرنا ہی بھول گئے)

حضرت شیخ الہندؒ نے اس شعر کے ذریعے سے اپنے ساتھ عشق کا اظہار کرنے والوں کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ کی گرفتاری کی اس مصیبت زدگی کے عالَم میں ظاہری طور پر اظہارِ محبت کرنے والے دوست احباب نے عشق کا تعلق ہی فراموش کر دیا۔

63۔ 30- الروم: 41۔

64۔ یہ شعر حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کے ایک قصیدے کا ہے، جو دارالعلوم دیوبند کے حالات اور اُس کی شان میں حضرتؒ نے ارشاد فرمایا ہے۔ دیکھیے! کلیاتِ شیخ الہندؒ، مرتب: ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہانپوریؒ، ص:67، طبع: مجلس یادگارِ شیخ الاسلام، کراچی، 1994ء۔

www.rahimia.org

65۔ حکیم سیّد نصرت حسین کوڑہ جہاں آباد کے رہنے والے حضرت شیخ الہندؒ کے مخلصین اور جاں نثاروں میں سے تھے۔ انھیں چھوڑ دیے جانے کی پیش کش کی گئی تھی۔ حضرتؒ نے بھی اجازت دے دی تھی، لیکن ان کے اخلاص وعقیدت نے حضرتؒ کو قید میں چھوڑ کر خود رہا ہوجانا گوارا نہ فرمایا۔ ۹/ذی قعدہ ۱۳۳۷ھ / 6/اگست 1919ء کو نمونیہ کے مرض میں مبتلا ہوکر انتقال فرمایا۔ مالٹا ہی میں تدفین عمل میں آئی۔ ان کی قبر پر حضرت شیخ الہندؒ کے مشورے اور رائے سے کرنل اشرف بیگ نے پتھر پر درج ذیل عبارت کندہ کر کے لگوائی:

''اللّٰهُ هو الباقي! (لفظ ''اللّٰه'' پنج کونہ تارے میں لکھا ہوا ہے اور اس کے گرد ہلال میں ''هُوَ الباقي'' کی عبارت درج ہے)۔

و هٰذا قبر الحكيم السّيّد نُصرت حُسين من أهل كوڑه جهان آباد، الهند. اُسِر بمكّة المكرّمة مع حضرت العلّامة مولانا الشّيخ محمود حسن صدر المدرّسين بكلّية ديوبند في الحرب العمومي، و توفّي أسيراً في تاسع ذى القعدة ۱۳۳۷ هجرة النّبيّ سيّدنا محمّد صلّى اللّٰه عليه و سلّم. رحمهُ اللّٰه رحمةً واسعةً و له الفاتحة''.

(سفر نامہ اسیرِ مالٹا، از حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ، ص: 198-197)

حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کا یہ خط اکتوبر 1919ء یا اس کے بعد کا ہے۔

66۔ ملتان کے ایک صاحب نے ''ض از ملتان'' کے نام سے حضرت شیخ الہندؒ کو ایک خط لکھا، جس میں سوال کیا:

''میں سرکاری نوکری سے مستعفی ہو چکا ہوں اور خلافت کے اس نازک معاملے کو مدِنظر رکھتے ہوئے جو اظہر من الشّمس ہے، برائے خدمت گزاریٔ اسلام ہجرت کا ارادہ رکھتا ہوں۔ ذاتی معاملات کی صورت یہ ہے کہ والدین اس معاملے میں ازحد مانع ہیں۔ میرے اَور (دوسرے) بھائی بفضلہٖ تعالیٰ جوان ہیں۔ والد صاحب برسرِ روزگار ہیں۔ اور یہی حالت میری اہلیہ کے والدین کی ہے۔ میری دو لڑکیاں ہیں، جن کی عمریں تین سال کے اندر اندر ہیں۔ چوں کہ میں اپنے آپ کو یہاں کسی طرح مطمئن نہیں کرسکتا اور ایک عظیم ولولہ دل میں ہجرت کا پیدا ہو چکا ہے، اس لیے شرعی فتوے کی ضرورت تھی کہ متذکرہ بالا حالات میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟''

اس کے جواب میں حضرت شیخ الہندؒ نے یہ مدبرانہ مکتوبِ گرامی تحریر فرمایا۔

67۔ خلیفہ صاحب ڈیرہ اسماعیل خانؒ: حضرت خلیفہ صاحب کے حالات معلوم نہیں ہوسکے۔ دراصل یہ مکتوبِ گرامی ہندوستان سے مسئلۂ ہجرت سے متعلق ہے۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلّی نے اس حوالے سے افغانستان کی طرف ہجرت کرنے سے متعلق فتویٰ دیا تھا۔ اس موقع پر ہجرت کی فرضیت اور استحباب سے متعلق علما کے درمیان کافی مکالمہ اور مباحثہ، بلکہ جھگڑا شروع ہوگیا۔ اس مکتوبِ گرامی میں حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ نے بڑی متوازن گفتگو کی ہے اور یہ تنبیہ کی ہے کہ جس ملک کی طرف ہجرت کے لیے جانا چاہتے ہیں، وہاں کے حالات پر نظر کرنا بھی ضروری ہے۔ مسئلۂ ہجرت سے متعلق آپؒ کی متوازن اور فقیہانہ رائے اس سے معلوم ہوتی ہے۔

68۔ منقول از مجموعۂ رسالہ ہجرت و رسالہ قربانی گاؤ، از مولانا عبدالباری فرنگی محلّی، مرتبہ: شیخ شاہد علی، بہ حوالہ شیخ الہند مولانا محمود حسن؛ ایک سیاسی مطالعہ، از ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری۔

69۔ مولانا محمد رفیع دیوبندیؒ: آپ حضرت شیخ الہندؒ کی دوسری صاحبزادی میمونہ کے صاحبزادے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کی ان صاحبزادی میمونہ کی شادی حضرتؒ کے چچازاد بھائی کے بیٹے مولوی حافظ محمد شفیع سے ہوئی تھی۔ حافظ صاحب مدرسہ اسلامیہ عبدالرب' دہلی میں مدرّس تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ اپنے نواسے محمد رفیع کو پیار سے ''بھولو'' کہتے تھے۔ ان کے نام حضرتؒ کے دو خطوط ہیں۔

70۔ مولانا محمد عثمان دیوبندیؒ: آپؒ حضرت شیخ الہندؒ کے نواسے اور مولانا محمد حنیف کے بیٹے تھے۔

71۔ مولانا محمد رفیع دیوبندیؒ: ان کا تذکرہ پہلے مکتوب میں گزر چکا ہے۔ اس مکتوب میں ان کے ساتھ مولانا محمد عثمان کا نام تحریر ہے اور اِس خط میں مولانا مسعود احمد کا نام تحریر ہے۔ ان کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہوسکا۔

یہ پورا خط ابھی حال میں دریافت ہوا ہے۔ اس حوالے سے دارالعلوم دیوبند کے موجودہ مہتمم مولانا ابوالقاسم نعمانی یہ تحریر لکھتے ہیں:

www.rahimia.org

''حضرت مولانا سیّد ارشد مدنی صاحب زید مجدہ نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا ایک گرامی نامہ حوالہ فرمایا ہے، جو حضرتؒ نے مالٹا (جیل) سے اپنے اہل خانہ کے نام روانہ فرمایا تھا۔ حضرت مولانا کو یہ خط حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے گھرانہ سے دستیاب ہوا ہے۔ حضرت مولانا کی ہدایت کے مطابق اس خط کو کتب خانہ دارالعلوم کے خانۂ نوادرات میں رکھ دیا جائے۔ ابوالقاسم نعمانی غفرلہٗ۔ ۴۱-۴-۲۷ھ (۲۷/ربیع الثانی ۱۴۴۱ھ)''۔

72۔ مشکوٰۃ المصابیح، حدیث: 5972۔

73۔ بوستانِ سعدی، ص: 12۔ یہ شعر حضرت شیخ سعدیؒ کی ''بوستانِ سعدی'' کا ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے اس کے مصرعوں کی ترتیب بدل کر اس خط میں تحریر کیا ہے، جب کہ اصل شعر اس طرح سے ہے:

اگر آں است منشورِ احسانِ اُو است
ور ایں است توقیع فرمان او است

شیخ سعدیؒ نے اس شعر کے پہلے مصرعے میں ''آں است'' میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے بچانے کے احسان کا تذکرہ کیا ہے اور دوسرے مصرعے ''ایں است'' میں فرعون کو پانی میں غرق کر دینے کے فرمان کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ نے اپنی قید اور ہندوستان پر مسلط قحط کو وقت کے فرعون انگریز کے تسلط کی طرف سعدی کے شعر کے دوسرے مصرعے میں اشارہ کیا ہے۔ اسی لیے اُسے اپنے خط میں پہلے بیان کیا ہے۔ ہندوستان کی آزادی اور حریت یا حضرت شیخ الہندؒ کے رفقا کی مالٹا کی قید سے رہائی کو خداوندی احسان کے تناظر میں دوسرے مصرعے کی صورت میں بیان کیا ہے۔

74۔ اس مکتوبِ گرامی میں اصحابِ اربعہ کا تذکرہ ہے، جن میں حکیم نصرت حسین بھی شامل ہیں۔ ان کا انتقال ۹/ذی قعدہ ۱۳۳۷ھ/6/اگست 1919ء کو مالٹا میں ہو گیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکتوبِ گرامی اس تاریخ سے پہلے کا لکھا ہوا ہے۔

75۔ حضرت شیخ الہندؒ کے چند خطوط کے اقتباسات حضرت مولانا میاں اصغر حسینؒ نے ''حیاتِ شیخ الہندؒ'' میں دیے ہیں۔ ان میں چوں کہ مکتوب الیہ کی شخصیت کا تعین نہیں ہوتا، اور ان میں مکاتیب کی شان بھی نظر نہیں آتی، اس لیے ان اقتباسات کو مِن وعَن ''حیاتِ شیخ الہند'' سے درج کیا جاتا ہے۔ البتہ جہاں کوئی واضح علامت نظر آئی، وہاں فصل قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان مکاتیب کے مضامین خیریت طلبی اور صبر و توکل علی اللہ اور دیگر نصائح پر مشتمل ہیں۔

☆

www.rahmia.org

علمی لیکچرز

سوسائٹی کی تشکیل میں تعلیمی اور قانونی نظام کی اہمیت

خطاب حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ

(2016ء میں حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ کے سفرِ پشاور کے دوران اسلامیہ کالج پشاور کے شریعہ اینڈ لاء ڈیپارٹمنٹ کے فیکلٹی ممبران نے حضرت اقدس مدظلہٗ کو ڈیپارٹمنٹ میں خطاب کی دعوت دی۔ چناں چہ 23/ اکتوبر 2016ء کو ڈیپارٹمنٹ کے ہال میں مندرجہ بالا عنوان پر حضرت اقدس مدظلہٗ نے خطاب ارشاد فرمایا۔ اس اجلاس کی صدارت مولانا مفتی محمد مختار حسن مدظلہٗ نے کی اور نظامت کی ذمہ داریاں جناب الطاف الرحمٰن نے سرانجام دیں۔ خطاب کے آخر میں ڈاکٹر فیصل شہزاد (ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ شریعہ اینڈ لاء) نے کالج فیکلٹی اور وائس چانسلر کی طرف سے کلماتِ تشکر ادا کیے۔

یہ خطاب نوک پلک درست کرکے اور حواشی کے ساتھ قارئین ''شعور وآگہی'' کے لیے پیش کیا جا رہا ہے۔ مدیر)

www.rahimia.org

خطبہ مسنونہ

نحمدهٗ و نصلّی علیٰ رسولہٖ الکریم. اما بعد!

فأعوذ باللّٰہ من الشّیطان الرّجیم. بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم. قال اللّٰہ تبارک و تعالیٰ:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۗ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ (1)

و قال النّبیّ صلّی اللّٰہ علیہ و سلّم:

''کانت بنو اسرائیل تسوسهم الأنبیاء، کلما هلک نبی، خلفهٗ نبیّ آخر. ألا! لا نبیّ بعدی، سیکون خلفاء، فیکثرون.'' (2)

صدق اللّٰہ العظیم و صدق رسولہٗ النّبیّ الکریم.

عزیز طلبا اور اساتذۂ کرام!

ہم یہاں اس حوالے سے اس نشست میں موجود ہیں کہ ہم اپنی علمی، تعلیمی صورتِ حال کا جائزہ لیں اور دینی، قومی اور ملّی تقاضوں کے تناظر میں اپنی ذمہ داریوں، اپنی سوسائٹی کی مجموعی فلاح و بہبود، دُنیوی اور اُخروی ترقی کے نقطہ نظر سے ایک ایسا

طریقۂ کار اپنائیں، جو دنیا اور آخرت دونوں جگہ پر ہمارے لیے کامیابی کا باعث ہو۔

تعلیم کی بنیادی اہمیت اور اہلِ علم کی فضیلت

قوموں کی زندگی میں تعلیم بڑی بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔علم و شعور کے بغیر کوئی عمل زیادہ پرفیکٹ (Perfact)، زیادہ اچھا اور بہتر نتائج پیدا نہیں کرسکتا۔ ہر کام کرنے کے لیے اُس کام کے بارے میں علم کا حاصل ہونا، اس سے متعلق شعور و آگہی کا موجود ہونا، اس میں مہارت اور صلاحیت کا پیدا ہونا لازمی اور ضروری ہوتا ہے۔ اس لیے کتابِ مقدس قرآن حکیم میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آیتِ مبارکہ میں انسانوں سے سوال کیا ہے کہ

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (3)

''کیا وہ لوگ جو اہلِ علم ہیں، علم و شعور رکھتے ہیں اور جو لوگ علم سے بے بہرہ ہیں، جاہل ہیں، کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟''

ایک طرف پڑھا لکھا اور علم و شعور رکھنے والا فرد اور دوسری طرف سوسائٹی کے تقاضوں سے ناآشنا، جہالت میں مبتلا شخص، کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ کامن سینس جواب دیتی ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ یقیناً اہلِ علم فوقیت رکھتے ہیں اُن تمام لوگوں پر جو علم اور شعور سے آگہی نہیں رکھتے۔

انسانی خیرخواہی عقل منداور سمجھ دار لوگ ہی کرتے ہیں

پھر قرآن حکیم نے ایک اَور حقیقت واضح کی کہ:

اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ (4)

کہ ''نصیحت صرف وہ لوگ حاصل کرتے ہیں، علم سے فائدہ وہی اٹھاتے ہیں، جو ذہین، فطین، سمجھ دار اور عقل و شعور والے ہوتے ہیں''۔

جتنی عقل بلند ہوتی ہے، جتنا فہم و بصیرت عمدہ اور بہتر ہوتا ہے، جتنا کسی علم کے اندر اعلیٰ مہارت ہوتی ہے، تو ایسے ہی لوگ اپنے علم سے پورے کا پورا فائدہ اٹھا کر سوسائٹی کی فلاح و بہبود کے لیے کردار ادا کرتے ہیں۔جتنی علمی سطح کم ہوتی ہے، جتنی علم و شعور کی استعداد میں کمی کوتاہی اور عملی مہارت میں کمی کوتاہی ہوتی ہے، اتنا ہی نتائج اور فوائد حاصل کرنا کم تر درجے میں ہوتا ہے۔ گویا کہ اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے نہ صرف علم کی اہمیت بیان کی ہے، بلکہ علم میں بھی اعلیٰ درجے کی مہارت و صلاحیت اور اعلیٰ درجے کے شعور کو پیدا کرنے، سوسائٹی کے لیے مفید نتائج پیدا کرنے کا کام کرنے کی ذمہ داری سونپی ہے۔

منصبِ نبوت کامل علمی استعداد سے تعلق رکھتا ہے

ہم جب انبیا علیہم السلام کی سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں تو ''نبی'' اُس فردِ کامل کو کہا جاتا ہے، جو علم کا مرکز و منبع ہوتا ہے۔ لفظ ''نبی'' ''نباء'' سے ہے اور ''نباء'' کا معنی ہے کسی علم کی خبر دینا۔ اور نبی چوں کہ علم کی خبر دیتے ہیں، علم سے باخبر کرتے ہیں، انسانیت کو معلومات فراہم کرتے ہیں، اللہ کی طرف سے انسانیت کی رہنمائی کے لیے عقل و شعور اور فہم و بصیرت پیدا کرتے ہیں،

www.rahimia.org

اس لیے نبی کو ''نبی'' کہا جاتا ہے۔ نبی کا علم‘ تمام علوم، تمام افعال و اعمال، سوسائٹی کی تمام بنیادی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے ایک مرکز اور منبع کی حیثیت رکھتا ہے۔ انبیا علیہم السلام کے وارثین اہلِ علم ہوتے ہیں، جو علم و دانش پھیلانے کے لیے کردار ادا کرتے ہیں۔ اسی لیے حضورﷺ نے فرمایا کہ میری اُمت کے اہلِ علم و دانش انبیا کے وارث ہیں۔ (5) یعنی وہ نبوت والا کام کرتے ہیں۔ یعنی علم اور شعور کے فروغ کے لیے جدوجہد اور کوشش کرتے ہیں۔

اعلیٰ علم سوسائٹی کے تمام شعبوں میں مسائل حل کرنے کی اہلیت پیدا کرتا ہے

اعلیٰ علم وہی کہلاتا ہے، جو سوسائٹی کے مسائل حل کرنے کی اہلیت اور صلاحیت پیدا کرے۔ انسانی مشکلات کو دور کرنے کے طریقے سُجھائے۔ ان میں وہ سلیقہ پیدا کرے، جس کے ذریعے سے وہ اپنی سوسائٹی کی مجموعی فلاح و بہبود کے لیے کردار ادا کرسکے۔ اسی لیے علم بنیادی طور پر ایک ناقابلِ تقسیم اِکائی ہے۔ علم مکمل طور پر کسی تقسیم کے مرحلے سے نہیں گزرتا۔ علم علم ہوتا ہے، خواہ کسی شعبے کا کیوں نہ ہو۔ ہم علم کو شعبہ جاتی نقطہ نظر سے محض اس لیے تقسیم کرتے ہیں کہ افراد اپنی اپنی عقل کے مطابق اس شعبے میں مہارت اور صلاحیت پیدا کریں۔ ورنہ تو دنیا کا ہر علم کسی نہ کسی طریقے سے تمام شعبوں سے ضرور متعلق ہوتا ہے۔ کسی شعبے کو ہم سِرے سے دوسرے علم سے الگ نہیں کرسکتے۔ ریاضی کا علم صرف ریاضی ہی میں استعمال نہیں ہوتا، بلکہ جو فزکس، کیمسٹری، باقی تمام شعبے ہیں؛ سیاسیات، معاشیات، سماجیات، بلکہ دینی علوم کے فہم سے متعلق دیگر شعبوں میں بھی استعمال میں آتا ہے۔ تو ہر علم انسانی سوسائٹی کے فروغ کے لیے مجموعی طور پر ایک کردار ادا کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علم ناقابلِ تقسیم اِکائی ہے۔

اہلِ علم کا کام علمی وحدت کی بنیاد پر سوسائٹی کے مسائل حل کرنا ہے

کوئی قوم تبھی ترقی کرتی ہے کہ وہ اس علمی وحدت کو، اس علمی یکجائی اور یکسوئی کو پیشِ نظر رکھ کر اُس علم کے ذیلی تمام شعبوں کا ایک ایسا مربوط نظام بنائے، جس سے سوسائٹی اپنے تمام شعبوں میں بہ حیثیتِ مجموعی ترقی کرے۔ علم کی تقسیم پڑھنے پڑھانے یا اِفہام و تفہیم کے لیے تو درست ہوسکتی ہے، لیکن اس تقسیم کی بنیاد پر فرقے، گروہ، یا طبقے پیدا کرنا، یا ان کی وجہ سے ان اہل علم کے درمیان لڑائی، جھگڑے اور انتشار پیدا کرنا‘ سوسائٹی کی مجموعی فلاح و بہبود کے بجائے سوسائٹی کو تقسیم کرکے رکھ دیتا ہے۔ یہ کبھی بھی علمی رویہ قرار نہیں پاتا۔ یہ رویہ جہالت پر مبنی ہوتا ہے۔

ایک فکر اور نظریے پر سوسائٹی کی تعمیر و تشکیل ہوتی ہے

آج بھی ہم مہذب دنیا کو دیکھیں تو امریکا، روس، یا جتنے بھی ترقی یافتہ ممالک ہیں، وہ اپنی سوسائٹی کی تعمیر و تشکیل کے لیے انھوں نے ایک سکول آف تھاٹ (مدرسۂ فکر) اختیار کیا ہے۔ اس فکر پر انھوں نے اپنا ایک نظامِ تعلیم بنایا ہے، جو اوّل سے آخر تک ایک ہے۔ اسی ایک نظامِ تعلیم کے تحت ہی ان کے سیاسی ادارے، اُن کے معاشی سسٹم، ان کے معاشرتی اور سماجی اداروں کی تشکیل ہوتی ہے۔ ایک نوجوان ایک ہی نظامِ تعلیم سے گزرتا ہے۔

www.rahimia.org

امریکا میں سرمایہ داری فکر کی اساس پر نظامِ تعلیم اور دیگر اداروں کی تشکیل

ایک نوجوان جو امریکا میں رہتا ہے، وہ سرمایہ دارانہ نظام اور کیپٹلزم کے مدرسۂ فکر پر مبنی تصورات کے تحت تمام شعبوں کا علم حاصل کرتا ہے۔ تمام علوم میں مہارت پیدا کرتا ہے۔ اور پھر سرمایہ دارانہ نظریہ (concept) کے تحت ہی سیاسی ادارے، مقنّنہ، انتظامیہ، عدلیہ وجود میں آتے ہیں۔ اسی طریقے سے جو معاشی ادارے؛ دولت کی پیدائش، تقسیم، تبادلہ اور صَرفِ دولت، پروڈکشن آف ویلتھ سے لے کر کنزمپشن آف ویلتھ تک کے تمام معاشی سسٹمز سرمایہ دارانہ کنسپٹ کے تحت وجود میں آتے ہیں۔ وہاں معاشرتی تعلقات اور روابط اور سماجی تہذیب و تمدن کے مظاہر بھی سرمایہ داری کے اصول پر ہی آگے بڑھتے ہیں۔

روس اور چین میں کمیونزم کی اساس پر نظامِ تعلیم اور ادارہ جاتی تشکیل

روس اور چین میں چلے جایئے تو انھوں نے جو سکول آف تھاٹ اختیار کیا ہے، کیپٹلزم کے مقابلے پر کمیونزم اور سوشلزم کی فکری اساس پر اپنا ایک نظامِ تعلیم بنایا ہے۔ ایک بچہ پہلی کلاس سے لے کر آخر تک کمیونزم کے نقطۂ نظر سے ہی تعلیم حاصل کرتا ہے۔ پھر اسی نظریہ اور نظامِ تعلیم کی اساس پر انھوں نے اپنے سیاسی ادارے؛ کمیونسٹ پارٹی، ملکی کانگریس اور پولٹ بیورو وغیرہ بنائے۔ پھر اسی نظریے کی اساس پر اپنے معاشی ڈھانچے، سماجی تعلقات پر مبنی روابط پیدا کیے۔ ان دونوں نظریات اور نظاموں میں یکساں طور پر مذہب کو سوسائٹی کی تشکیل کے دائرے سے خارج کر دیا گیا ہے۔

دیگر ترقی پذیر ممالک کے لیے لمحۂ فکریہ

اب دیکھنا یہ ہے کہ جب دنیا میں تمام ترقی یافتہ ممالک ریاست کے لیے طے کردہ ایک ہی علم و فکر کی بنیاد پر پوری قوم کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرتے ہیں اور اس کی روشنی میں قومی اور ملکی ادارے بناتے ہیں، دنیا میں ایسا ترقی یافتہ ممالک ہی اقدامات کر رہے ہیں تو ایسے میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دنیا میں جو ممالک ترقی کرنا چاہتے ہیں، اُن کو یہ طریقۂ کار کیوں اپنے پیشِ نظر نہیں رکھنا چاہیے؟

مسلمانوں کا ترقی یافتہ نظام بھی ایک نظریہ اور نظامِ تعلیم پر استوار رہا ہے

وہ مسلم دنیا جو ان دونوں نظام ہائے حکومت سے پہلے کے ہزار سالہ دور میں تقریباً اکثر دنیا پر ترقی یافتہ حیثیت سے حکمران رہی ہے، ان کے ہاں بھی ایک ہی نظامِ تعلیم ہے۔ مسلمانوں کے نظامِ تعلیم میں کبھی کوئی تقسیم نہیں تھی کہ یہ مذہبی اور دینی نظامِ تعلیم ہے، یہ خاص فرقے کا نظامِ تعلیم ہے، اور یہ عصری یا دنیاوی تعلیم ہے۔ یہ میڈیکل سائنسز کی تعلیم ہے، یہ انجینئرنگ کی تعلیم ہے، یہ فلاں ہے، یہ فلاں ہے، یہ تقسیم کا عمل نہیں تھا۔ مسلمانوں کے غلبے کے ہزار سالہ دور میں جتنے تعلیمی ادارے بنائے گئے، وہ ایک ہی نظریہ اور نظامِ تعلیم کے تحت تھے۔ ہر فرد اسی نظام کے ذریعے تعلیم حاصل کرتا تھا۔

ہندوستان کا ایک ہی نظامِ تعلیم ہے، حتیٰ کہ مسلمان بھی وہی پڑھتا ہے، ہندو بھی وہی پڑھتا ہے۔ اگر شاہجہاں کا وزیرِاعظم نواب سعداللہ خاں جس مدرسے سے پڑھ کر نکلتے ہیں، اسی مدرسے سے، اُسی سکول سے، اُسی تعلیمی ادارے سے مجددالفِ ثانی جیسے بزرگ بھی نکلتے ہیں۔ دونوں کلاس فیلو ہیں۔ دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

www.rahimia.org

ہمارے ملک میں علم کی غیر حقیقی تقسیم کے اسباب

ہمارے ہاں پاکستان میں یہ تقسیم موجود ہے کہ ہم نے وہ علم جو نا قابلِ تقسیم اکائی تھی، اُسے مذہبی اور غیر مذہبی میں تقسیم کر دیا۔ پھر مذہبی تعلیم بھی چار پانچ فرقوں میں بانٹ دی۔ اس حوالے سے پانچ مذہبی فرقے اور گروہ وجود میں آ گئے۔ جسے عصری تعلیم کہتے ہیں، اُسے بھی بہت سے سکول سسٹمز کے دائروں میں تقسیم کر دیا گیا:

1۔ غلامی کے دور میں ڈیوائڈ اینڈ رول کی اساس پر حکومتی نظام

اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم دو سو سال (1757ء سے 1947ء) تک انگریز سامراج کے غلام رہے ہیں۔ جب قومیں غلام ہو جاتی ہیں تو اُن کا تعلیمی، سیاسی، معاشی، سماجی نظام اپنا نہیں رہتا۔ غلامی کے اس دورانیے میں وہ نوآبادیاتی دور کی پیداوار ہوتے ہیں۔ اُن کا جو آقا ہوتا ہے، وہ اپنے مفادات کے تحت فیصلے کرتا ہے۔ اور کسی قوم پر تسلط برقرار رکھنے کے لیے کہ جو فرعونی طریقۂ واردات قرآن نے بیان کیا ہے، وہ ''ڈیوائڈ اینڈ رول'' کا ہے کہ قوم کو لڑاؤ، فرقہ واریت پیدا کرو، ان کے درمیان تقسیم پیدا کرو، جھگڑے پیدا کرو، اور ان کے اوپر حکمرانی کرو۔ تو دو سو سالہ ڈیوائڈ اینڈ رول کی سیاست کا سب سے بڑا اثر ہمارے نظامِ تعلیم پر ہوا۔

2۔ انگریزوں کا اپنے مقاصد کے لیے مذہبی تعلیمی ادارے قائم کرنا

ہم سب جانتے ہیں تاریخی طور پر کہ 1757ء میں بنگال کے گورنر سراج الدولہ کو شکست دے کر ایسٹ انڈیا کمپنی نے بنگال پر قبضہ کیا تھا۔ 1765ء میں مغل بادشاہ کی طرف سے بنگال کی دیوانی یعنی مالیاتی ڈھانچہ یا ریونیو کی کلیکشن کا پورا نظام کمپنی کے حوالے کر دیا گیا۔ 1765ء میں دیوانی پر قبضہ ہوا ہے۔ بنگال میں کلکتہ اُس کا دارالخلافہ بنا۔ اور وہاں سے انگریزوں نے ہندوستان پر تسلط کا راستہ ہموار کیا۔ سب سے پہلا مذہبی فرقہ واریت کی بنیاد پر مدرسہ بھی 1780ء میں انگریزوں نے کلکتہ میں قائم کیا۔ کمپنی کی طرف سے متعین ہندوستان کے گورنر جنرل نے اپنی جیبِ خاص سے کلکتہ میں ''مدرسہ عالیہ''[6] قائم کیا، جس میں درسِ نظامی کی اساس پر اُس زمانے کا کمپنی کے ماتحت چلنے والا عدالتی نظام چلانے کے لیے علما تیار کیے جاتے تھے۔ کوئی آزاد علمی، فکری اور حریت پسندی پر مبنی جدید عصری تقاضوں کے تناظر میں علوم نہیں پڑھائے جاتے تھے۔ ایسے تمام بہترین علوم اس مدرسے سے خارج کر دیے گئے۔ اس طرح گویا اپنے مقصد کے حصول کے لیے ایک مذہبی تعلیم کا ادارہ الگ بنا دیا گیا اور پھر عصری تعلیم کے اداروں کے نام پر کالج اور یونیورسٹیوں کا سلسلہ شروع کیا گیا۔

3۔ 1835ء میں لارڈ میکالے کا نظامِ تعلیم

1835ء تک یہاں مغلوں کے سابقہ نظامِ تعلیم کو کمپنی فنڈنگ کرتی رہی، اور اس کے ذریعے سے یہ تقسیم آہستہ آہستہ بتدریج گہری کی گئی اور 1835ء میں لارڈ میکالے نے جو تعلیمی پالیسی جاری کی، اس کے مقاصد و اہداف میں یہ تھا کہ نسلاً ہندوستانی رہیں، مذہباً یہ ہندو، سکھ، یا مسلمان رہیں، لیکن سوچ اور فکر کے اعتبار سے انگریز بن کر رہیں۔ انگریز کے نظام کے چلانے کے کل پُرزے تیار کرنے کے لیے جدید عصری تعلیمی ادارے قائم کیے گئے، انگریزی کو سرکاری زبان قرار دے دیا گیا، فارسی کی حیثیت کو ختم کر کے رکھ دیا گیا، تاکہ یہاں کی نسلیں اپنی پوری تاریخ اور اپنے پورے علمی ورثے سے — جو آٹھ سو سال سے اس سے

واقفیت رکھتی تھیں — سے بالکل کٹ جائیں۔ اب 1835ء کے بعد پڑھا لکھا وہ شمار ہوتا تھا کہ جس نے انگریزی پاس کی ہو۔ علمی طور پر کچھ آتا ہے یا نہیں، اُس کے کنسپٹ کلیئر ہیں یا نہیں، انگریزی زبان اُسے آتی ہے، وہ انگریزوں کی ترجمانی کا کام کرسکتا ہے، تو وہ تعلیم یافتہ قرار پاتا تھا۔

1780ء سے فرقہ وارانہ بنیادوں پر مدرسوں کو پروموٹ کیا گیا۔ اور 1835ء کے بعد اُن تعلیمی اداروں کو آگے بڑھایا گیا کہ جو عصری تعلیم کے نام پر صرف انگریز تہذیب و کلچر یا زبان اور ادب سکھانے کے لیے کردار ادا کرتے ہیں۔

4۔ مقامی زبانوں کے فروغ کے نام پر تقسیم

پھر اگر ہم ہندوستان کی تعلیمی پالیسی کا جائزہ لیں تو 1854ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے جو یہاں تعلیمی پالیسی جاری کی، اس کے ذریعے سے تعلیمی حوالے سے مزید تقسیم گہری کی گئی کہ محض انگریزی زبان کے نافذ کرنے سے لوگ یہاں انگریزی کی طرف متوجہ نہیں ہو رہے۔ مقامی علاقائی زبانیں موجود ہیں تو انھیں نسلوں کے درمیان اختلافات کے لیے فروغ دیا جائے۔ اور اس کے ذریعے سے تقسیم کے عمل کو گہرا کیا جائے۔ پوری تعلیمی پالیسی کے مجموعی نکات سوسائٹی میں تقسیم پیدا کرنے کے لیے بنائے گئے۔

آپ دیکھیے کہ اُردو زبان کی ڈکشنری سب سے پہلے انگریزوں نے لکھی۔ فارسی اور عربی کے مقابلے میں اُردو کو پروموٹ کیا گیا۔ [7] اُردو زبان کے لیے ہر بڑے شہر میں ''اُردو بازار'' بنوائے گئے۔ تمام وہ قوانین اور ضابطے جو انگریزی میں جاری کیے گئے، اُن کے اُردو تراجم کمپنی کی حکومت یا گورنمنٹ آف برطانیہ کی طرف سے کرائے گئے۔ انھیں اُردو کے ترجمے کرا کر اُردو بازاروں کے ذریعے سے آگے بڑھائے گئے۔ لاہور میں اُردو بازار بنایا، کراچی، کلکتہ اور دہلی میں اُردو بازار بنایا۔

اور پھر اسی پر بس نہیں ہوا تو پھر علاقائی زبانیں مزید فروغ دی گئیں۔ بنگالی کی ڈکشنری لکھنے والا کون ہے؟ انگریز، پنجابی کی زبان کی نوک پلک سنوارنے والا کون ہے؟ انگریز۔ آپ دیکھیے کہ سندھی زبان کی گرائمر سب سے پہلے آرنس ٹرمپ نے 1872ء میں لکھی، اُس کے حروفِ تہجی مرتب کیے، اُس کی لغت لکھی، سندھی زبان کو پروموٹ کیا، سندھی پریس آگے بڑھایا گیا، اور اسی آرنس ٹرمپ نے 1873ء میں پشتو زبان کی گرائمر لکھی، اس کے حروفِ تہجی متعین کیے۔ اس کی بنیاد پر پشتو کو فروغ دینے کا کام کیا گیا۔

آپ دیکھیے کہ پنجابی، پشتو، بنگالی، سندھی، اُردو اور بہاری، اسی طریقے سے ہریانوی جیسی زبانوں کے فروغ کے ذریعے ہندوستان کی سیاسی وحدت کو باقاعدہ تقسیم کی ایک پالیسی کے تحت اپنایا گیا۔ انگریزی میں تعلیم حاصل کریں اور اپنی مادری زبان بولیں اور سمجھیں۔ آپ اگر کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں، ہندو ہیں تو سنسکرت یا ہندی سے، مسلمان ہیں تو عربی اور فارسی بھی پڑھنی ہے۔ اب ایک بچے پر تین چار زبانوں کا بوجھ ڈال دیا گیا۔ علاقائی زبان پڑھے اور اس کو بھی اُس گرائمر کے تحت پڑھے، جو یہاں بنائی گئی ہے، مادری زبان یا اظہار مافی الضمیر کا اپنا علاقائی لہجہ نہیں، اُس شناخت کے ساتھ پڑھے، جو یہاں انگریزوں نے بنا دی ہے۔ اسی طریقے سے انگریزی زبان لازمی قرار دے دی گئی۔ اور آج بھی انگریزی زبان کے پرچے میں فیل ہونے والوں کی اکثریت ہماری پوری سوسائٹی میں موجود ہے۔ آج بھی ہماری گرفت میں انگریزی نہیں آئی۔

یہاں کی نسلوں کو آٹھ سو سال سے پڑھی جانے والی عربی زبان سے کاٹ دیا، سرکاری طور پر بولی جانے والی فارسی زبان

سے کاٹ دیا۔ اس کے ساتھ یہ بھی دیکھیے کہ ہمارے عام لوگوں کو انگریزی آتی نہیں ہے اور علاقائی زبان میں صرف بول ہی سکتے ہیں، لکھی ہوئی پشتو یا پنجابی ہمارا بندہ نہیں پڑھ سکتا۔ تو جو کلاسیک زبان نہیں ہے، جس کے ذریعے سے علم اور کنسپٹ کلیئر ہونا تھا، جس کے ذریعے سے علم وشعور بننا تھا، انگریزی پر عبور نہیں تو انگریزی کے ذریعے سے جو کنسپٹ عبور کرنے کا عمل ہے، وہ بہت ہی دُور کا ہے کہ آپ پہلے انگریزی سمجھیں، اُس کے محاورے سمجھیں اور پھر آپ اس کنسپٹ کو سمجھیں، تو جب تک مادری زبان میں یا اپنی زبان میں، یا جو ایک تاریخی زبان یہاں پر رہی ہے، اُس کے ذریعے سے ایک کنسپٹ کلیئر کرنے کا عمل ختم کر دیا گیا اور اس کے ذریعے سے تقسیم در تقسیم کا عمل ہماری سوسائٹی میں قائم کیا گیا۔

تعلیمی تقسیم کے خطرناک نتائج

حالت یہ ہوئی کہ ایک طرف ہم نے مذہبی ادارے بنائے، صرف قرآن و حدیث کے ظاہری الفاظ رٹے ہوئے افراد تیار کیے، جن کا سوسائٹی کے عملی تقاضوں، کسی انجینئرنگ، میڈیکل سائنس یا عملی سماجی معاشرتی سیاسی تقاضوں کی تکمیل میں کوئی عمل دخل نہیں۔ اور دوسری طرف وہ عصری علوم کے حاملین کہ جن کا مذہب سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں۔ وہ اکیلے ڈاکٹر ہیں، انجینئر ہیں، پروفیسر ہیں یا اپنے شعبے کے خاص ماہر ہیں، لیکن سماجی علوم کے حوالے سے اُن کا کنسپٹ کیا ہے، سوسائٹی کی مجموعی تشکیل کے لیے انھوں نے کیا کردار ادا کرنا ہے، اس پر کسی قسم کا کوئی تعلیمی عمل یا تربیتی عمل ہماری سوسائٹی میں نہیں رہا۔

پھر اگلا المیہ یہ ہوا کہ مذہب کے نام پر بھی چلو ایک مذہبی تعلیم ہوتی تو بات تھی، مسلمانوں میں پانچ فرقے آج سرکاری طور پر ہم نے مان لیے کہ یہ دیوبندیوں کا مذہب ہے، یہ بریلویوں کا مذہب ہے، یہ شیعہ حضرات کا مذہب ہے، یہ اہل حدیث حضرات کا مذہب ہے، اور یہ مودودی صاحب کے ماننے والے جماعتِ اسلامی کا مذہب ہے۔ آج سرکاری طور پر پانچ مذہبی وفاق گورنمنٹ آف پاکستان مانتی ہے کہ یہ اپنے اپنے نظریے یا اپنی اپنی سوچ کے مطابق پانچ طرح کے مذہبی فرقے سرکاری طور پر بنا سکتے ہیں اور ہر ایک وفاق یا ہر ایک بورڈ اپنی اپنی سند دے کر اپنے فرقے کا نمائندہ بنا سکتے ہیں۔

اور اگر ہم عصری تعلیمی اداروں کو دیکھیں تو یہ جناب ایچی سن کالج ہے، یہ لارنس کالج ہے، یہ غریبوں کے لیے ٹاٹ سکول ہے، یہ ڈی ایم جی گروپ پیدا کرنے کے لیے اعلیٰ قسم کے تعلیمی اور تربیتی ادارے ہیں، یہ آکسفورڈ سکول سسٹم ہے، یہ کیمبرج سکول سسٹم ہے، یہ جناب فلاں ہے، یہ فلاں ہے۔ آپ دیکھئے کہ عصری تعلیم کی بنیاد پر ہم نے کتنے سکول اور سسٹم یہاں جاری کر دیے، جس کے نتیجے میں مختلف ذہن پیدا ہو گئے۔

سوسائٹی ترقی کرتی ہے وحدتِ فکری سے کہ پوری قوم ایک طرح سے سوچے، ایک طرح سمجھے، ان کے اندر ایک وحدت ہو اور اُسی کی اساس پر وہ اپنے سیاسی، معاشی، سماجی اور مذہبی تقاضوں کی تکمیل کرے۔

یہاں ہم اپنے تعلیمی اداروں سے مذہبی اور عصری حوالے سے جو تعلیم یافتہ پروڈکٹ تیار کر رہے ہیں، بچپن سے ہی اوپر تک اُن کی ذہنی ساخت، اُن کا پس منظر، اُن کی علمی استعداد، اُن کی تربیت کا انداز و اُسلوب قطعی طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ تو ان میں وحدت اور یونٹی کہاں سے پیدا ہوگی؟ ان میں اتفاق کہاں سے آئے گا؟ کسی ایک نظریے پر اتفاق کہاں سے آئے گا؟

ہم نے ملک لیا ہے اسلام کے نام پر، آزادی کی جدوجہد تو اس لیے ہوئی تھی کہ نوآبادیاتی دور کے نظامِ تعلیم سے چھٹکارا حاصل کر کے ایک آزاد قوم کے شایانِ شان ایک ایسا اجتماعی قومی نظام بنایا جائے کہ جس میں اگر ہم مسلمان ایک ریاست میں ہیں تو دینِ اسلام کی تعلیمات کے جو بنیادی تصورات ہیں، وہ بھی ہوں اور جو عصری تقاضے ہیں، ہماری عصری ضروریات ہیں، ہماری سوسائٹی کی تعلیم و تشکیل کے لیے، سول سٹرکچر بنانے کے لیے، انسانی صحت کے لیے، انسانی سماج کی ترقی کے جو علوم ہیں، وہ سائنسی علوم اور ٹیکنالوجی پر مبنی علوم ہماری ضرورت ہیں۔ ان کو بھی دینی تعلیم کے ساتھ ملا کر رکھا جائے۔

ایک نظامِ تعلیم ہونا چاہیے تھا، لیکن بدقسمتی کی بات ہے کہ ان ستر سالوں میں وہی نوآبادیاتی دور کا نظامِ تعلیم ہماری سوسائٹی پر مسلط ہے کہ جو پندرہ طرح کے افراد تیار کر رہا ہے۔ اور وہ کبھی بھی ایک جگہ پر متفق نہیں ہوتے۔ اُن کی ذہنی ساخت، اُن کا تربیتی عمل، اُن کا ذہنی پس منظر ان کے ساتھ قدم قدم پر موجود ہوتا ہے۔ وہ اپنے فرقے اور طبقے کے خول سے باہر نہیں نکلتے، وہ اپنے تعلیمی پسِ منظر کے ماحول سے باہر نہیں نکلتے۔

پھر یہ تمام کے تمام تعلیم یافتہ افراد زیادہ سے زیادہ اپنے شعبے کے ماہر ہیں:

☆ کسی نے قرآن حکیم اچھا یاد کر لیا تو وہ اسے اچھی تجوید وقرأت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے۔

☆ کسی نے چند احادیث کی کتابیں اچھی یاد کر لی تو حدیث کی بنیاد پر فرقہ وارانہ کچھ بنیادی مسائل یاد کر لیتا ہے۔

☆ کسی نے فقہ کے کچھ مسائل یاد کر لیے تو مسئلوں کے جھگڑے بیان کرنے میں بہت ماہر اور مفتی ہو گیا ہے۔

☆ کسی نے انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کر لی اور اچھا انجینئر بن کر عالمی سرمایہ داری نظام کے لیے خدمات سرانجام دینے لگا۔

☆ اپنی علمی استعداد اور صلاحیت کی وجہ سے کوئی اچھا ڈاکٹر بن گیا اور فارماسیوٹیکل کمپنیوں کے لیے خدمات سرانجام دینے لگا۔

☆ کوئی اچھا قانون دان بن گیا اور سرمایہ داری نظام کے بنائے ہوئے قانونی ضابطوں کی بھول بھلیوں میں پڑ گیا۔

سوسائٹی سے متعلق اُمور پر غور وفکر کیوں نہیں ہے؟

لیکن سوچنے کی بات ہے کہ:

☆ ہمارے سماجی تقاضے کیا ہیں؟

☆ سوسائٹی کی اجتماعی شیرازہ بندی کے لیے سیاسی سسٹم کے حوالے سے ہماری سیاسی رائے کیا ہونی چاہیے؟

☆ سوسائٹی کے معاشی بحران کو دور کرنے کے لیے ہمارا معاشی نقطہ نظر کیا ہونا چاہیے؟

جس کی بنیاد پر ہم سوسائٹی کے سماجی، سیاسی اور اجتماعی معاشی نظام کو بہتر بنا سکیں۔ ملک کی خوش حالی اور ترقی کا کردار ادا کرنے کے لیے یکساں طور پر اپنا سکیں۔

قانونی تشکیل کے حوالے سے درپیش چیلنج

آج ہمیں سرمایہ داری نظام کی وجہ سے یہ چیلنج درپیش ہے کہ وہ ہمارے سیاسی اور معاشی نظام پر اثر انداز ہو کر ہمیں غلام بنائے ہوئے ہے، ہم قرضوں کی معیشت میں جکڑے ہوئے ہیں، ہم بھوک و افلاس کی حالت میں ہیں، ہم سیاسی طور پر بدامنی

اور خوف کی حالت میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور ہمارے یہ مختلف فرقے اور گروہ آپس میں لڑ لڑ کر اُس دہشت گردی اور بدامنی کے فروغ کا ذریعہ بن رہے ہیں۔ وہ متشددانہ سوچ جو مدرسوں اور مسجدوں میں پیدا ہو اور اگر کالجوں اور یونیورسٹیوں سے بھی خودکش بمبار پیدا کیے جا رہے ہوں، وہاں دہشت گردی کی سوچ پیدا کی جا رہی ہو، وہاں سوسائٹی میں امن و امان کے قیام کے حوالے سے کوئی پُرامن سیاسی نظریہ اور سوچ ان کے سامنے نہ ہو، وہ ''خلافت'' اور ''جمہوریت'' کے نام پر جاری جھگڑوں کے درمیان ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوں، وہ ''امارت'' کے نام پر جدید جمہوریت کے تقاضوں سے سِرے سے ناآشنا ہوں، اور اس کی بنیاد پر قتل و غارت گری جاری رکھے ہوئے ہوں، وہ قانون کی تشریح کے تناظر میں غلامی کے زمانے کے قانون کے شارح بن کر ایک دوسرے کے ساتھ لڑائی جھگڑے اور دنگا فساد پیدا کر رہے ہوں، وہ عدالتی نظام جو انگریز نے قائم کیا، انصاف فراہم کرنے کے بجائے، انصاف کو بیچنے اور فروخت کرنے کے لیے ہو، اُس کی بنیاد پر آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں کاٹتے ہوں، لڑائی جھگڑے کرتے ہوں، عدالتوں میں ججوں سے جھگڑوں کی بھرمار ہو تو سوچنا چاہیے کہ ہماری سوسائٹی کہاں جا رہی ہے؟۔

ہمارے چیف جسٹس صاحب کہتے ہیں کہ: ''ہم ان ستر سالوں میں عوام کو انصاف فراہم کرنے میں بہ طورِ ریاست کے ناکام ہیں''۔ تو اس ناکامی کی وجوہات کیا ہیں؟ کہ کیا ہم نے عصری تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے دینِ اسلام کے قانون کے مطابق ادارے بنائے ہیں، عدالتی نظام بنانے والا پینڈرل مون ''ہندوستان میں انگریز ریاست'' میں لکھتا ہے کہ ہم نے اپنی انگریز عدالتوں کا نظامِ شہادت ایسا بنایا ہے کہ ایک سچی گواہی کو بھی ثابت کرنے کے لیے جب تک سو جھوٹ نہ بولے جائیں، اس وقت تک ہم ایک عدالت کے اندر بھی سچی گواہی نہیں ثابت کر سکتے۔ اور یہ کہ ہمارا مقصد ہندوستانیوں کو انصاف دینا نہیں تھا، ہندوستانیوں کو مقدموں میں اُلجھانا تھا۔ بالخصوص دیوانی کے مقدمات، ساٹھ ساٹھ ستر ستر سال تک جھگڑوں کے اندر مبتلا رہتے ہیں اور انصاف فراہم نہیں ہوتا۔

آخر کیا وجہ ہے کہ سوسائٹی کے وہ بنیادی تقاضے، جس کے لیے علم حاصل کیا جاتا ہے، بہ حیثیتِ مجموعی ہمارے سامنے نہیں ہیں۔ علم بذاتِ خود تو کوئی مقصد نہیں ہے۔ علم برائے علم کچھ نہیں ہوتا ہے۔ اور علم برائے فروخت تو بالکل بھی کچھ نہیں ہوتا۔ علم سوسائٹی کی ترقی کے لیے ایک مہذب اور مفید شہری بنانے کے لیے ہوتا ہے۔ علم کا نتیجہ سوسائٹی کے اندر نفع بخش طور پر سامنے آنا چاہیے۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ:

''**اللّٰھم إنّا نسئلک علماً نافعاً**''. (8)

(اے اللہ! ہم ایسے علم کا تجھ سے سوال کرتے ہیں، جو نفع بخش ہو۔)

جو علم چوروں ڈاکوؤں کو چوری کرنے کا، نقب زنی کرنے اور دوسروں کے تالے توڑنے کا، لوگوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کا ہو، اس کو ''علم'' کہنا، علم کے لفظ کی توہین ہے۔ علم تو وہ ہے انسانیت کے لیے نفع کا کام کرے۔ اگر علم کا نتیجہ سوسائٹی کے لیے نفع بخش نہ ہو اور علم لوٹ مار کا ذریعہ بن رہا ہو، تو یہ بہت بڑی خرابی ہے۔ ہمارے حکمران آکسفورڈ اور کیمبرج سے پڑھ کر آئیں اور ایچی سن اور لارنس کالج سے پڑھ کر آئیں اور ملک کے اندر ستر سالوں سے کرپشن ہو، لوٹ مار ہو، الزامات ہوں، اور سوسائٹی میں بدامنی ہو، قتل و غارت گری ہو، دہشت گردی ہو، تو کیا یہ علم کا اثر ہے؟

ہمارے تعلیمی نظام پر ایک سوالیہ نشان ہے

ہمارے علم پر ایک سوالیہ نشان ہے کہ ہمارے علم سے نکلنے والی بیوروکریسی، ہمارے علم کو پڑھ کر نکلنے والے سیاست دان، ہمارے مدرسوں اور مسجدوں سے نکلنے والے مولوی اور مفتی اور علما، سوسائٹی کی درست تشکیل کے حوالے سے بہ حیثیتِ مجموعی ناکام ہو چکے ہیں۔ اُن کے علم کی موجودگی میں بدامنی کیوں ہے؟ اُن کے علم کی موجودگی میں ظلم کیوں ہے؟ اُن کے علم کی موجودگی میں سوسائٹی کے اندر بھوک و افلاس کیوں ہے؟ قرآن حکیم تو کہتا ہے کہ مثالی اور ترقی یافتہ اسلامی معاشرہ تو وہ ہے کہ جہاں بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب عدل کا سسٹم موجود ہو۔ ظلم نہیں۔

سوسائٹی کی تشکیل میں معاہدۂ عمرانی کی اہمیت

دیکھیے! ہر سماج سماجی معاہدات کے مجموعے کا نام ہوتا ہے۔ معاہدۂ عمرانی اور سوشل کنٹریکٹ کی اساس پر ممالک کی ترقی کا عمل آگے بڑھتا ہے۔ ایسے معاہدۂ عمرانی کی ممکنہ دو ہی شکلیں ہوسکتی ہیں:

(الف) سماجی معاہدات عدل پر مبنی ہوں۔

(ب) سماجی معاہدات ظلم پر مبنی ہوں۔

ظلم پر مبنی ہوں تو قرآن کہتا ہے کہ ایسا معاشرہ زوال پذیر ہے۔ اور اگر عدل پر مبنی ہیں بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب، کالا گورا، مشرقی مغربی، یہودی، ہندو، عیسائی جو بھی ہے، ان تمام کے لیے یکساں طور پر اگر سماجی تحفظ کا نظام موجود ہے تو وہ ایسا معاہدۂ عمرانی اور سوشل کنٹریکٹ درست قرار پائے گا۔ اور اگر یہ نہیں ہے اور ظلم موجود ہے، خواہ اسلام کے نام پر ہو، فرقے کے نام پر ہو، گروہ کی بنیاد پر ہو، یا سرمایہ دار اور جاگیردار طبقے کی بالادستی کی بنیاد پر ہو، طبقاتی بنیادوں پر ہو، قرآن کہتا ہے کہ یہ ظلم کا معاشرہ، ناانصافی کا معاشرہ، اور کفرانِ نعمت میں مبتلا معاشرہ ہے۔

قرآن حکیم کی نظر میں بہترین معاشرے کے بنیادی اُمور

قرآن حکیم کہتا ہے کہ سب سے بہترین معاشرہ وہ ہے، جس میں امن ہو، قرآن نے کہا:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً (9)

بہترین اور مثالی سوسائٹی وہ ہے، جس میں امن ہو۔ دنیا میں قانون کی حکمرانی اس لیے ہوتی ہے، اپنے جیسے انسانوں کو اپنا حکمران اس لیے مانا جاتا ہے کہ وہ ہماری جان مال، عزت آبرو کا تحفظ اور امن فراہم کریں گے۔ اگر حکومت امن فراہم کرنے میں ناکام ہے تو اپنا وجہِ جواز کھو بیٹھتی ہے۔ اگر کوئی قانون ہمیں انصاف فراہم کرنے اور امن دینے میں ناکام ہے تو وہ قانون' قانون نہیں ہے، وہ بدلنے کے قابل ہے۔ قرآن حکیم کہتا ہے کہ مثالی سوسائٹی وہ ہے، جس میں امن ہو۔

اسی طریقے سے مثالی سوسائٹی کا قرآن نقشہ کھینچتے ہوئے کہتا ہے کہ

مُّطْمَىِٕنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ (10)

ایسی معاشی خوش حالی کہ اُس کے معاشی وسائل اور رزق ہر طرف سے وافر مقدار میں سوسائٹی میں آتا ہو۔ اس کی ایگریکلچر

ترقی یافتہ ہو، اس کی ٹریڈنگ اور تجارت ترقی یافتہ، اس کی انڈسٹری ترقی یافتہ ہو۔ یہی تین میز آف پروڈکشنز (Means of Productions) ہیں، اس کے ذریعے سے ہی سوسائٹی کے اندر پیدائشِ دولت کا عمل ہوتا ہے۔تو یہ وافر مقدار میں ہوتو سوسائٹی ترقی کرتی ہے۔

قرآن حکیم کی نظر میں زوال پذیر معاشرہ

قرآن نے اسی آیت میں ایک زوال پذیر سوسائٹی کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہا ہے کہ وہ سوسائٹی جو زوال پذیر ہوتی ہے، جس میں **لباس الخوف**، سوسائٹی پر بدامنی اور خوف مسلط ہو۔خوف زدہ سیاست، خوف زدہ معیشت، خوف زدہ انسان رہتے ہوں تو قرآن کہتا ہے کہ یہ زوال پذیر معاشرہ ہے۔ بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب تمام لوگوں کے لیے امن چاہیے تھا، اور اگر امن کے بجائے خوف اور دہشت پوری سوسائٹی پر مسلط ہوتو یہ زوال پذیر سوسائٹی ہے۔اسی طریقے سے قرآن نے کہا کہ **لباس الجوع**، کسی سوسائٹی پر بھوک کی چادر تنی ہو، وہاں افلاس ہو، قرضوں کی معیشت ہو اور سوسائٹی میں لوگ اپنی معاشی ضروریات اور کفالت کے پورا کرنے کے قابل نہ ہوں، قرآن کہتا ہے کہ یہ زوال پذیر سوسائٹی ہے۔

علم کے نتیجے میں عدل، امن اور معاشی خوش حالی

آپ یہ دیکھئے کہ علم کے نتیجے میں تو عدل، امن اور معاشی خوش حالی پیدا ہوتی ہے۔قرآن کا پورا اسی پر زور ہے، مختلف آیات میں اللہ نے ان تمام چیزوں کا حکم دیا ہے۔ اور جہالت کے نتیجے میں قرآن کہتا ہے کہ تین چیزیں پیدا ہوتی ہیں: ظلم، بدامنی، خوف کی حالت اور معاشی بھوک وافلاس۔

دیکھنا یہ ہے کہ ہم نے آزادی کے بعد اُس نظامِ تعلیم اور علم وشعور کی ضرورت تھی کہ جس کے نتیجے میں ایک نظامِ تعلیم اور اس کی بنیادی اساسیات یہ ہوتیں کہ اس پاکستان میں بسنے والے بیس کروڑ انسان خواہ کوئی زبان بولیں، کسی نسل سے تعلق رکھتے ہوں، کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، کسی فرقے اور گروہ سے تعلق رکھتے ہوں، کوئی سی لسانی شناخت رکھتے ہوں، ان تمام کو بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب عدل کی بنیاد پر تمام سماجی معاہدات وجود میں آنے چاہئیں تھے۔امن کی بنیاد پر سیاسی نظام ہونا چاہیے تھا۔ داخلی سیکیورٹی فورسز، داخلی دشمنوں، چوروں، ڈاکوؤں، قاتلوں اور لٹیروں سے ہمیں محفوظ رکھتیں۔ اور جو عسکری قوتیں ہیں، وہ باہر سے سامراجی حملہ آوروں سے بچانے کے لیے ملک کے اور قوم کے تحفظ اور قومی سلامتی کے لیے کردار ادا کریں۔ انھی اُمور کے لیے دنیا میں تعلیم وتربیت دی جاتی ہے۔ اسی طریقے سے معاشی خوش حالی کا عمل کہ ایسے معاشی سسٹم کے ذریعے سے ہوتا جو بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب تمام لوگوں کے لیے کردار ادا کرے۔لیکن آج ہم فرقوں میں اُلجھ گئے، گروہیتوں میں تقسیم ہوگئے، طبقات میں تقسیم ہوگئے، علم وہ مجموعی نتیجہ پیدا نہیں کر رہا، جسے قرآن نے ہدف بنایا۔اور جس کو آج کی مہذب دنیا نے اپنے لیے معیار بنایا ہے۔

یہ روس، چین بھی گو مذہب کو نہیں مانتے، لیکن اُن کی سوشیالوجی کی تعلیم، ان کے قانون اور ضابطوں کی اساس بھی تو اسی چیز پر ہے کہ عدل، امن اور معاشی خوش حالی قائم ہو۔ ہم کسی ملک کو ترقی یافتہ اسی لیے کہتے ہیں کہ وہاں کس قدر سوسائٹی کے تمام

www.rahimia.org

لوگوں کے درمیان عدل و مساوات ہے۔ کس قدر اس سوسائٹی کے اندر امن و امان ہے۔ کس قدر اس سوسائٹی کے اندر معاشی خوش حالی ہے۔ اس کا جی ڈی پی کیا ہے۔ اس کے اخراجات کیا ہیں، اس کے قرضوں کی صورتِ حال کیا ہے، اس کی بنیاد پر ہم کسی ملک کو ترقی یافتہ قرار دیتے ہیں۔ چودہ سو سال پہلے ایک ترقی یافتہ معاشرے کا قرآن حکیم نے جو معیار مقرر کیا ہے، آج دنیا ارتقا کر کے اس معیار کو اپنا رہی ہے تو اس کے تناظر میں ہمیں تو اپنی سوسائٹی کا جائزہ لینا زیادہ بہتر اور زیادہ ضروری ہو گیا۔

علم کے حصول کے مقاصد ہمارے سامنے رہنے چاہئیں

آج ہم اپنے نظامِ تعلیم کو، اپنے علم و شعور کو ان بنیادوں پر حاصل کریں کہ ہمیں سوسائٹی کو عدل فراہم کرنا ہے، امن دینا ہے، معاشی خوش حالی پیدا کرنی ہے۔ ہم جو علم بھی حاصل کریں، ڈاکٹر بنیں، انجینئر بنیں، لائیر بنیں، کوئی سوسائٹی کی ذمہ داریاں پوری کریں، دین کی تعلیم حاصل کریں، ہمیں قومی اور ملّی حوالے سے ایک جامع نظامِ تعلیم کی ضرورت ہے۔ اس کے ذریعے سے علم و شعور کے سوتے پھوٹیں اور اس کے ذریعے سے سوسائٹی کے لیے مفید خدمت سرانجام دینے والا ایک مفید فرد بن کر کردار ادا کریں، نہ کہ فرقہ واریت اور گروہیت کے تناظر میں ہم تقسیم در تقسیم کے عمل میں رہ کر ظلم، ناانصافی، بدامنی اور بھوک و افلاس کی حالت میں رہیں۔

ہمارا علم و شعور یہ ہونا چاہیے کہ اگرچہ شعبہ جاتی بنیادوں پر ہم الگ الگ شعبوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہوں، لیکن بنیادی ہدف سماجی ذمہ داریوں کے حوالے سے یہ ہو کہ سماج کی تشکیل کا عمل عدل، امن اور معاشی خوش حالی، بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب کی اساس پر قائم کرنے کے لیے اپنے تئیں جدوجہد اور کوشش کی جائے، یہ علم نافع ہے اور اسی سے سوسائٹی ترقی کرتی ہے۔

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ کا بنیادی پیغام یہ ہے کہ ہمارے نوجوان قرآن حکیم کو اس نقطہ نظر سے سمجھیں کہ وہ سوسائٹی کے لیے ایک مفید، باشعور شہری بن کر کردار ادا کریں۔ علم کے ان بنیادی دائروں سے آگہی حاصل کریں، جو سوسائٹی میں ایک مفید کردار ادا کرنے، مفید اجتماعیت قائم کرنے، عدل، امن اور معاشی خوش حالی کے لیے اقدامات کرنے کے لیے جدوجہد اور کوشش کا باعث ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن حکیم کی تعلیم کو سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

- -

www.rahimia.org

کلماتِ تشکر

از پروفیسر ڈاکٹر فیصل شہزاد

(چیئرمین لاء ڈیپارٹمنٹ اسلامیہ کالج پشاور)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ السلام علیکم!

مفتی صاحب! آپ کے ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ سے جتنے بھی مہمان آج آئے ہیں اسلامیہ کالج میں، مَیں بذاتِ خود بطور اسسٹنٹ پروفیسر ڈیپارٹمنٹ آف شریعہ اینڈ لاء اور اپنے ادارہ اسلامیہ کالج (پشاور) کی طرف سے، وائس چانسلر، رجسٹرار کی طرف سے آپ کا بہت مشکور ہوں انفرادی طور پر اور ان سب کے بہاف (behalf) پر بھی۔

آج انھوں نے مجھے کہا کہ آپ نے کچھ باتیں کرنی ہیں تو میں اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ اتنے بڑے لوگوں کے سامنے میں کچھ کہہ سکوں۔ آج سننے کا میرا موڈ ہو رہا تھا۔ مجھے بہت اچھا لگا۔ اور اسلامیہ کالج (پشاور) کے متعلق سٹوڈنٹس نے سر آپ کو بتایا ہوگا، آپ کے ادارے سے متعلق انھوں نے ہمیں کچھ بتایا ہے۔

کچھ میں آپ کے گوش گزار کر دوں گا کہ اسلامیہ کالج، جس کا نام 1913ء — جب اس نے کام شروع کیا — دارالعلوم اسلامیہ تھا۔ پھر جب 1949ء میں جو وقت آیا تو یونیورسٹی آف پشاور بنی، اس کا نام اسلامیہ کالج پشاور ہوا۔ تو اس ادارے کی بنیاد بھی اسی سوچ، اسی فکر اور اسی بنیاد پر رکھی گئی تھی کہ یہاں سے ایک ڈیلیگیشن اگر کسی کو نہیں پتہ تو ان کی معلومات میں اضافے کے لیے، 1903ء میں یہاں سے ایک وفد گیا تھا علی گڑھ مسلم یونیورسٹی جو کہ ابھی بھی ہے ہندوستان میں، وہاں پر کچھ پختون سٹوڈنٹس تھے یہاں اس علاقے کے جو کہ یہاں سے کافی دور گئے تھے اور پڑھ رہے تھے وہاں پر، ان کو ہاسٹل کا مسئلہ تھا۔ تو یہاں سے جو بڑے گئے تھے، تو ان سٹوڈنٹس نے ریکوسٹ کی ان بڑوں سے کہ ہمارے لیے ہاسٹل کا یہاں پر مسئلہ حل کر دیں۔ اور اللہ بھلا کرے اُن بڑوں کا کہ انھوں نے یہ سوچ لیا کہ بجائے علی گڑھ میں اُن کے لیے ہوسٹل بنائیں، انھوں نے وہاں پر کچھ چندہ کیا، پھر یہاں پر چندے کیے بہت سارے لوگوں سے، اور اسلامیہ کالج کی بنیاد رکھی۔ جس ادارے میں ابھی کھڑے ہیں اور یہ لیکچر سن رہے ہیں۔ اس کی بنیاد آج سے سو سال پہلے رکھی گئی۔

بہت نامی گرامی لوگ اس ادارے نے پیدا کیے، بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اس صوبے کے اور اس ملک کے اس علاقے سے پچھلے سو سال میں جتنے بڑے نام نکلے ہوں گے، تو اگر آپ ان سے پوچھیں گے کہ آپ کی بنیادی تعلیم کہاں پر ہوئی تو وہ کہیں نہ کہیں پر اسلامیہ کالج اور اس ادارے سے منسلک رہے ہوں گے۔

یہ اس ادارے کی خوش قسمتی ہے کہ سر آج آپ تشریف لائے۔ ہم نے بہت کچھ آپ سے سیکھا۔ ہم کو اگر مستقبل میں بھی

آپ کا وقت مل سکے تو ہم بڑے مشکور ہوں گے۔ ہمیں پتہ نہیں تھا کہ تعداد اتنی بڑی ہوگی سٹوڈنٹس کی، ورنہ ہم کسی بڑے ہال میں پروگرام کر دیتے تو زیادہ لوگ مستفید ہو جاتے۔ ان شاء اللہ پروگرام کے تحت کسی، ہمارے پاس دوسرے ہال بھی ہیں، بڑے ہال میں پروگرام کرتے ہیں تو وائس چانسلر صاحب کو بھی بلاتے اور باقی تمام سٹوڈنٹس کو بھی، تاکہ آپ کے اس لیکچر سے وہ بھی مستفید ہوتے۔

آخر میں مَیں دوبارہ سر آپ کا بہت بہت شکریہ آپ سب کے آنے کا۔ جتنے سٹوڈنٹس اسلامیہ کالج کے ہیں، لاء ڈیپارٹمنٹ کے ہیں، ان کے بہاف (behalf) پر بھی آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جو باہر یونیورسٹی سے آئے ہیں، ان کا بھی میں بہت مشکور ہوں۔ اور

we are always welcome, thank you very much sir.

- -

حوالہ جات وحواشی

1۔ 39-الزمر:9۔ 2۔ صحیح بخاری، باب ما ذکر عن بنی إسرائیل، حدیث 3455۔

3۔ 39-الزمر:9۔ 4۔ ایضاً۔

5۔ اصل حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''**العلماء ورثة الأنبياء.**'' (**رواه ابو داؤد فی سننه، کتاب العلم، حدیث نمبر 3641. و رواه البخاری فی ترجمة باب العلم قبل القول و العمل**)

6۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا قائم کیا ہوا ہندوستان میں پہلا اسلامی مدرسہ ہے۔ اس مدرسے کا قیام عجیب وغریب حالات میں پیش آیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی جس کا ظاہری مقصد تجارت اور اصل مقصد ہندوستان میں عیسائیت کی تبلیغ اور اقتدار کا حصول تھا، رفتہ رفتہ ہندوستان کے انتظامی معاملات میں مداخلت کرنے لگی۔ آخر کار شاہ عالم کے دورِ حکومت میں طوائف الملوکی کا ایسا ہنگامہ گرم ہوا کہ بادشاہ نے مجبور ہو کر اگست 1765ء میں بنگال کا انتظام و انصرام ایسٹ انڈیا کمپنی کے سپرد کر دیا، لیکن شرط یہ رکھی گئی کہ حکومت کے قدیم نظام میں کوئی رد و بدل نہیں کیا جائے گا۔ بنگال کی تقدیر کا مالک بننے کے بعد انگریز دل سے چاہتے تھے کہ حکومت کو تبدیل کر دیں، مگر کچھ تو شرائط کا پاس و لحاظ تھا اور کچھ سیاسی مجبوریاں کہ وہ فوری یہ قدم نہیں اٹھا سکے۔ کچھ عرصہ تک انہیں پرانے نظام کو قائم رکھنا تھا جس کے لیے وہ اپنی پسند کے ایسے افراد کی تلاش میں تھے جو اسلامی قوانین اور تعلیمات میں ماہر ہوں اور انتظامی اور عدالتوں کا کام سنبھال سکیں۔

دوسری طرف انگریزوں کے دن بہ دن بڑھتے ہوئے غلبے کے پیش نظر بنگال کے مسلمان یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ ان کا دین و ایمان اور ان کی اسلامی تعلیمات و روایات غیر محفوظ ہیں۔ اس سوچ کا فطری نتیجہ یہ نکلا کہ کلکتہ کے مسلمانوں نے دینی تعلیم کی ترغیب اور مذہب کے تحفظ کے لئے ایک اسلامی تعلیمی ادارہ کے قیام کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا۔ لیکن ان کی مالی حالت اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ وہ کسی مدرسہ کے قیام کی خواہش کو عملی جامہ پہنا سکیں۔

اتفاق سے اس دور میں ایک عظیم المرتبت علمی شخصیت مُلّا مجدالدین (جو عرف عام میں ''مولوی مدن'' کے نام سے مشہور تھے) کلکتہ میں قیام فرما تھے اور کلکتہ کے لوگ جو مولوی صاحب کی علمی اور مذہبی حیثیت سے واقف تھے، چاہتے تھے کہ مولوی صاحب کلکتہ میں رہ کر لب تشنگانِ علم کو سیراب کریں۔ چناں چہ کلکتہ کی برگزیدہ علمی شخصیتوں کا ایک وفد مدرسے کے قیام کی درخواست کے ساتھ وارن ہسٹنگز [HastingsWarren] (گورنر جنرل) سے ملا۔

انگریز پہلے ہی یہ سوچ رہے تھے کہ کوئی ایسی ٹکسال قائم کی جائے جہاں سے ان کی مرضی کے مطابق ڈھلے ہوئے افراد دستیاب ہو جائیں، جن کے ذریعے نظامِ حکومت چلانے میں آسانی ہو، چناں چہ انھوں نے یہ موقع غنیمت سمجھا اور درخواست فوراً منظور کرلی۔

یہ درخواست ستمبر 1780ء میں پیش کی گئی اور اکتوبر 1780ء کو مدرسے کا قیام عمل میں آیا۔ اس مدرسے کے پہلے نگران یا مدرّسِ اوّل ملا مجدالدین مقرر کیے گئے۔ ابتدا میں یہ مدرسہ کرائے کی عمارت میں قائم کیا گیا تھا۔ تھوڑے عرصے کے بعد ایک وسیع رقبہ زمین گورنر نے اپنی جیبِ خاص سے خریدا، جس پر بعد میں مدرسے کے لیے ایک شان دار عمارت کی تعمیر کی گئی۔ مدرسے کا نصابِ تعلیم درسِ نظامیہ کے مطابق رکھا گیا۔ مدرسے کا ابتدائی ماہانہ خرچ کل چھ سو پچاس روپیہ ہوتا تھا، جو گورنر برداشت کرتا تھا۔ اپریل 1781ء تک تمام اخراجات گورنر نے ذاتی طور پر برداشت کیے۔ بعد ازاں مجلسِ نظما کو اس کی باقاعدہ اطلاع دی اور یہ گزارش بھی کی کہ کمپنی اس ادارے کو اپنی تحویل میں لے لے۔ مدرسے کی عمارت کی تعمیر کے لیے اکیاون ہزار روپیہ کا تخمینہ پیش کیا گیا۔ یہ تجویز 1782ء کو منظور ہوئی۔ تمام مصارف جو اَب تک مدرسے کے سلسلے میں ہوئے تھے، بورڈ نے گورنر کو ادا کر دیے''۔ (ماخوذ از مجلّہ: علم و آگہی (خصوصی شمارہ ''برصغیر پاک و ہند کے علمی ادبی و تعلیمی ادارے'') گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی میگزین (1973-74) (مرتبہ: ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوریؒ)

1920ء میں جس طرح انگریزوں کی قائم کردہ علی گڑھ یونیورسٹی کے مقابلے پر ایک نیشنل یونیورسٹی جامعہ ملیہ اسلامیہ کے نام سے دہلی میں قائم کی گئی تھی، اسی طرح انگریزوں کے قائم کیے ہوئے اس مدرسے کے طلبا نے تحریکِ ترکِ موالات میں حصہ لیتے ہوئے انگریزوں کے زیرِانتظام اس مدرسے سے علاحدگی اختیار کی تھی۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کو خط لکھ کر قومی مدرسۂ عالیہ کلکتہ بنانے اور اس کے لیے صدر المدرسین مقرر کرنے کی درخواست کی تھی۔ اس کے جواب میں حضرت شیخ الہندؒ نے حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کو اس آزاد قومی مدرسے کا سربراہ مقرر کیا تھا، جس کی تفصیلات حضرت مدنیؒ نے ''نقشِ حیات'' میں درج کی ہیں۔ دیکھیے ''نقشِ حیات''، ج:2، ص: 261 تا 263، طبع: مکتبہ دینیہ، دیوبند۔

7۔ ''اردو زبان نے ہندوستان میں جنم لیا مگر اس کی لغات کی ابتدائی تدوین، ترتیب اور تشکیل میں مشنریوں، پرتگیزیوں اور انگریزوں نے اہم کردار ادا کیا۔ انگریزوں نے ملک کی تقریباً تمام علاقائی زبانوں کی لغات اور صرف و نحو پر کام کیا مگر زیادہ توجہ اُردو پر دی کہ یہ ایک مرکزی زبان تھی۔ انگریز تاجر کے روپ میں آئے تھے۔ بعد ازاں جب یہاں قابض ہوئے تو حکومت کرنے کے لیے مقامی لوگوں سے رابطے کی ضرورت پیش آئی تو اُنھوں نے ڈکشنریاں مرتب کیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کو ایک ایسی زبان کی ضرورت ہوئی جو ان کے تجارتی اور ملکی معاملات میں زیادہ کام آسکے۔

اردو کی پہلی لغت کا ذکر مسٹر کوریج نے اپنے اورینٹل کیٹلاگ میں کیا ہے، ان کے پاس لغت کا ایک قلمی نسخہ موجود تھا۔ ان کے خیال میں یہ لغت سورت میں 1830ء میں لکھی گئی۔ کچھ دنوں بعد جان جوشوا ایکسٹر نے ایک کتاب ہندوستانی لغت پر لکھی، وہ پروشیا کا باشندہ تھا اور شاہ عالم اور جہاں دارشاہ کے دربار میں ڈچ سفیر تھا۔

ہنری ہیرلیس انگریزی ہندوستانی ڈکشنری 1790ء میں مدراس سے شائع ہوئی۔ اس میں دکنی الفاظ خاص طور پر شامل کیے گئے۔ گل کرسٹ کی 9 جلدوں پر مشتمل انگریزی ہندوستانی ڈکشنری 1790ء میں کلکتہ سے اشاعت پذیر ہوئی۔ اِس میں انگریزی لفظوں کے معنی رومن حروف اور اُردو خط نستعلیق ٹائپ میں ہیں۔ ہر لفظ کی اصل بیان کی ہے کہ وہ کس زبان کا ہے۔
(لغت نویسی اور اُردو کی ابتدائی لغات، تحریر: اکرم کنجاہی، سماء نیوز ویب سائٹ)

8۔ **سنن ابن ماجه، کتاب الصّلوٰة، باب ما یقال بعد التّسلیم، حدیث: 925۔**

9۔ 16-النحل: 112۔ 10۔ ایضاً۔

☆

www.rahimia.org

شخصیات

حضرت شقیق بن ابراہیم بلخیؒ کی تعلیمات

تحریر: مولانا ڈاکٹر محمد مشتاق تجاروی

حضرت شقیق بلخیؒ (متوفی ۱۹۴ھ / مطابق 810ء) ابتدائی عہد کے اجلّہ صوفیا میں سے ہیں۔ ان کا شمار تصوف کی تاریخ میں نظریہ ساز صوفیا میں ہوتا ہے۔ ابوعبدالرحمٰن السلمی نے لکھا ہے کہ خراسان کے علاقے میں سب سے پہلے شقیق بلخیؒ نے علم الاحوال کے بارے میں گفتگو کی۔ وہ اپنے عہد میں بھی بڑے مشہور صوفیا میں شمار ہوتے تھے۔ وفات کے بعد بھی آج تک ان کو اساطینِ تصوف میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان کے مریدین کی تعداد بہت تھی۔ بسا اوقات ان کے ساتھ تین تین سو مرید ہوا کرتے تھے۔ زہد و عبادت کے ساتھ ساتھ انھوں نے بھرپور سیاسی و سماجی زندگی گزاری۔

مختصر احوال: حضرت شقیق بلخیؒ خراسان کے شہر ''بلخ'' کے رہنے والے تھے اور قبیلہ ''ازد'' سے نسبی تعلق تھا، اس لیے ''الازدی'' کہلاتے تھے۔ ابوعلی کنیت تھی۔ ابتدا میں بہت دولت مند آدمی تھے۔ ان کے پوتے علی بن محمد بن شقیق روایت کرتے ہیں کہ ان کے دادا — یعنی حضرت شقیقؒ — شروع میں بہت امیر تھے۔ ان کے پاس تین سو گاؤں کی جاگیر تھی۔ تجارت بھی کرتے تھے اور تجارت کے سلسلے میں مختلف علاقوں کے اسفار بھی کرتے تھے۔ بعد میں تصوف و سلوک کی طرف مائل ہوئے تو ساری دولت غریبوں میں تقسیم کر کے زہد کی راہ اختیار کر لی۔ (1)

تصوف اور زہد کی طرف ان کی طبیعت کے میلان کے سلسلے میں کئی واقعات ملتے ہیں:

ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ وہ تجارت کے سلسلے میں ''ترکوں'' (غیر مسلم ترک مراد ہیں) کے علاقے میں گئے ہوئے تھے۔ جس بستی میں یہ لوگ مقیم تھے، وہاں کے لوگ مشرک تھے اور بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ حضرت شقیقؒ ایک مرتبہ ان کے عبادت خانے میں گئے۔ وہاں دیکھا کہ ان لوگوں کے مذہبی پیشوا سر اور داڑھی کے بال منڈوائے ہوئے سرخ ارغوانی رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں (غالباً بدھ مذہب کے پیروکار ہوں گے)۔

حضرت شقیقؒ نے ان سے کہا کہ تم لوگ اپنے بنائے ہوئے ان بتوں کی پوجا کرتے ہو۔ یہ غلط طریقہ ہے۔ جن چیزوں کو تم پوجتے ہو، ان کا بھی اور تمھارا بھی خالق اور بنانے والا ایک ہی ہے اور کوئی اس جیسا نہیں ہے۔ دنیا و آخرت اسی کی ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور ہر ایک کو رزق دینے والا ہے۔ پھر تم ایسے معبود کو چھوڑ کر ان بتوں کی پوجا کیوں کرتے ہو؟

عبادت خانے کے خادم نے کہا کہ تمھارے قول اور عمل میں تضاد ہے۔ شقیق رحمۃ اللہ نے پوچھا: کیسے؟ اس نے جواب دیا کہ: اگر تم یہ مانتے ہو کہ تمھارا ایک خالق و رازق ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے تو تم طلبِ رزق میں یہاں نہ آتے۔ جو تمھیں یہاں رزق دے رہا ہے، وہ تمھارے مقام پر بھی دیتا اور تم سفر کی اس مصیبت سے بچے رہتے۔ اس گفتگو کا حضرت شقیقؒ پر بڑا اثر

ہوا۔ خود فرماتے ہیں کہ: ''میرے زہد کا سبب اس ''ترکی'' کا یہ کلام ہے''۔ اس کے بعد حضرت شقیقؒ واپس آئے اور سارا مال و منال صدقہ کر کے طلبِ علم میں لگ گئے۔ (2)

امام ابن الملقّن نے ''طبقات الاولیا'' میں ایک اَور واقعہ لکھا ہے، لیکن بہ ظاہر اس روایت کی صحت میں ان کو بھی شک ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ قحط کے زمانے میں انھوں نے ایک غلام کو دیکھا جو بہت موج مستی کر رہا تھا (یلعب و یمرح)۔ حضرت شقیقؒ نے اس کو ڈانٹا کہ لوگ قحط کی مصیبت میں مبتلا ہیں اور تُو موج مستی کر رہا ہے۔ اس نے کہا: ''مجھے اس قحط کی پرواہ نہیں۔ چوں کہ میرے مالک کے پاس ایک گاؤں ہے، وہاں سے ضرورت کی ہر چیز آ جاتی ہے، میں اس قحط سالی کی فکر کیوں کروں''۔ حضرت شقیقؒ نے سوچا کہ اس غلام کا مالک تو خود ایک مخلوق ہے، اس پر اس کو اتنا بھروسہ ہے اور میرا مالک تو تمام غنیوں کا غنی ہے۔ جب یہ شخص ایک گاؤں کے مالک کے اپنے آقا پر اتنا بھروسہ کر رہا ہے تو میں سارے عالَم کے مالک کی غلامی کا دعوے دار ہو کر بھی کیوں پریشاں پھروں؟ اس کے بعد اپنا سارا اثاثہ ترک کر دیا اور عبادت میں لگ گئے۔ (3)

امام قشیریؒ نے ''الرّسالۃ القشیریّۃ'' میں اس کے علاوہ اسی جیسا ایک اَور واقعہ لکھا ہے۔ ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ شقیق بلخیؒ کا رُجحان زُہد و عبادت کی طرف ایسے واقعات کی بنا پر ہوا تھا، جن میں طلبِ رزق کی خصوصی اہمیت تھی۔ چناں چہ ان کے یہاں غالب رجحان تَوَکُّل (اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسے) کا ہے، حتیٰ کہ ان کے بارے میں بعض تذکرہ نگاروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان کا سارا کلام تَوَکُّل کے بارے میں ہے۔ (4)

حضرت شقیق بلخیؒ شروع میں بڑے عیش و آرام کی زندگی بسر کرتے تھے۔ بہترین لباس زیبِ تن کیے رہتے۔ نمود و نمائش کا بڑا شوق تھا۔ خود فرماتے ہیں کہ ''کنت مرائیًا'' (میں نمود و نمائش کا شوقین تھا)۔ وہ کتے پالنے کے بھی بڑے شوقین تھے۔ پھر ان کی زندگی میں انقلاب آیا اور وہ عابد و زاہد بن گئے۔

امام قشیریؒ نے ابوعبدالرحمٰن السلمیؒ کے حوالے سے ان کے دورِ امارت کا ایک قصہ اس طرح نقل کیا ہے کہ حاتم اصم کہتے ہیں: ''شقیق بن ابراہیمؒ پہلے بہت دولت مند تھے۔ زندگی کج کلاہی میں بسر کرتے تھے۔ ان کے گرد خوش فکروں کی بھیڑ رہتی تھی۔ اس وقت بلخ کا حاکم علی بن عیسیٰ بن ماہان تھا۔ اس کو بھی کتے پالنے کا شوق تھا اور اس کے پاس بہت سے تربیت یافتہ کتے تھے۔ ایک مرتبہ اس کا ایک شکاری کتا گم ہو گیا۔ بڑی تلاش کے بعد بھی نہیں ملا۔ کسی نے جھوٹی شکایت کی کہ یہ کتا فلاں شخص کے پاس ہے، جو حضرت شقیقؒ کے پڑوس میں رہتا تھا۔ جب اس شخص کی تلاش ہوئی تو اس نے بھاگ کر حضرت شقیقؒ کے گھر میں پناہ لی۔ حضرت شقیقؒ حاکم کے پاس گئے اور کہا: کتا تو میرے پاس ہے۔ لہٰذا اس کا پیچھا چھوڑ دو۔ میں تین دن کے اندر کتا تمھیں دے دوں گا۔ چناں چہ انھوں نے اس شخص کو چھوڑ دیا۔ حضرت شقیقؒ واپس آئے تو بہت فکر مند تھے، یہاں تک کہ تیسرا دن بھی آ گیا۔ حضرت شقیقؒ کا ایک دوست بلخ سے کہیں گیا ہوا تھا اور اب بلخ واپس آ رہا تھا۔ راستے میں اسے ایک کتا ملا، جس کے گلے میں پٹا پڑا ہوا تھا۔ اس نے اسے پکڑ لیا اور اس خیال سے کہ حضرت شقیقؒ کتوں کے شوقین ہیں، ان کو بہ طور تحفہ دے گا۔ جب حضرت شقیقؒ نے اسے دیکھا تو اتفاق سے وہی امیر کا کتا تھا۔ انھوں نے وہ کتا امیر کو دے کر اپنی ضمانت چھڑائی۔ (5)

حضرت شقیق بلخیؒ کے ایک مربی حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کا ایک واقعہ بہت مشہور ہے۔ امام ابن الملقّنؒ نے یہ قصہ اس طرح

لکھا ہے کہ: ایک مرتبہ شقیق بلخیؒ حج کو گئے۔ وہاں حضرت ابراہیم بن ادھمؒ سے ملاقات ہوئی۔ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے ان سے پوچھا کہ: آپ نے زہد و توکل کا یہ طریقہ کہاں سے سیکھا؟ شقیقؒ نے بتایا کہ: ایک مرتبہ میں تجارت کے لیے جا رہا تھا۔ ایک جگہ میں نے ایک چڑیا دیکھی، جس کے پنکھ ٹوٹے ہوئے تھے اور ایک ویران جگہ پڑی تھی۔ میں نے سوچا کہ میں یہ دیکھوں کہ اس کو کھانا کہاں سے ملتا ہے؟ اسی اثنا میں ایک دوسری چڑیا آئی۔ اس کی چونچ میں دانہ تھا۔ اس نے وہ دانہ اس چڑیا کی چونچ میں رکھ دیا۔ مجھے اس نظارے سے عبرت ہوئی اور میں واپس آ کر عبادت میں لگ گیا۔

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے یہ سن کر شقیقؒ سے کہا کہ تم نے وہ چڑیا بننا پسند کیوں نہیں کیا، جس نے اس پَر بُریدہ چڑیا کو دانہ دیا تھا؟ اس طرح تم اس سے افضل ہو جاتے۔ کیا تم نے سنا نہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

''**الید العلیا خیر من ید السّفلی**''. [6] (اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے افضل ہوتا ہے۔)

مؤمن کی علامت یہ ہے کہ وہ ہر معاملے میں دو درجوں میں سے اعلیٰ درجے کا انتخاب کرے۔ اس طرح وہ اَبرار (نیک لوگوں) کے درجے کو پہنچ جاتا ہے۔ حضرت شقیقؒ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کو بوسہ دے کر کہا کہ آج سے آپ میرے استاد ہیں۔ [7]

حضرت شقیقؒ کے راہِ زہد اختیار کرنے کے سلسلے میں یہ چند واقعات ہیں۔ ان میں انتساب کی غلطی کا امکان تو ہے، لیکن بہ ظاہر کوئی بڑا اتضاد بھی نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ یہ سب واقعات پیش آئے ہوں اور ان کے مجموعی تأثر کے طور پر حضرتؒ نے ترکِ دنیا کر کے زہد کی راہ اختیار کی ہو۔

آپؒ کی تربیت کرنے والے اساتذۂ کرام

حضرت شقیق بلخیؒ نے فقہ کی تعلیم امام زُفرؒ (تلمیذ امامِ اعظم ابوحنیفہؒ) سے حاصل کی اور راہِ سلوک کے رموز حضرت سفیان ثوریؒ، حضرت عباد بن کثیرؒ اور حضرت اسرائیلؒ سے سیکھے۔ چناں چہ خود فرماتے ہیں:

''میں نے لباس کی سادگی سفیان ثوریؒ سے، خشوع و خضوع اسرائیلؒ سے اور عبادت کا ذوق عباد بن کثیرؒ سے سیکھا۔ اور فقہ کی تعلیم امام زفرؒ سے حاصل کی''۔

ان کے استادوں میں ان کے علاوہ ایک نام کثیر بن عبداللہ الایلیؒ کا بھی ہے۔ [8]

علامہ عبدالرؤف مناویؒ نے لکھا ہے کہ: انھوں نے فقہ کی تعلیم امام ابوحنیفہؒ سے حاصل کی۔ [9]

امام ابن الملقنؒ نے بھی صراحت کی ہے کہ حضرت شقیق بلخیؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے حدیث پڑھی تھی۔ [10]

آپ کے متوسلین اور مریدین

حضرت شقیق بلخیؒ کے تلامذہ کی تعداد بہت تھی۔ ان کے ساتھ بعض اوقات تین تین سو مرید ہوا کرتے تھے۔ ان کے زیادہ مشہور تلامذہ اور مریدین میں حاتم الاصمؒ، عبدالصمد بن مردویہؒ، محمد بن ابان المستملیؒ اور حسین بن داؤد بلخیؒ ہیں۔ [11]

راہِ سلوک میں شقیق بلخیؒ نے بڑی مشکلات اٹھائیں۔ انھوں نے خود اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

میں نے جب تَوَکُّل کی راہ اختیار کی تو میرے پاس تین لاکھ کا اثاثہ تھا۔ میں نے سب چھوڑا۔ اُونی کپڑے پہنے اور بیس

سال تک ایک مدہوشی کی سی کیفیت میں رہا۔ مجھے کچھ ہوش ہی نہیں رہتا تھا۔ ایک مدہوشی کی سی کیفیت طاری رہتی تھی۔ مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ جب میری ملاقات عبدالعزیز بن ابی الروادؒ سے ہوئی تو انھوں نے مجھ سے کہا کہ: اے شقیق! جَو کی روٹی کھانا اور اُون یا بالوں کے کپڑے پہننا کوئی کمال کی بات نہیں ہے۔ کمال کی بات یہ ہے کہ تم اللہ کی معرفت حاصل کرو اور یہ کہ تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ میں نے ان سے کہا: میں آپ کی بات صحیح طرح نہیں سمجھا۔ آپ اس کی مزید وضاحت فرمائیں۔ انھوں نے فرمایا کہ: تم جو عمل بھی کرو، وہ سب خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا [12]، [13]

(سو پھر جس کو اُمید ہو ملنے کی اپنے ربّ سے، سو وہ کرے کچھ کام نیک، اور شریک نہ کرے اپنے ربّ کی بندگی میں کسی کو)

''حلیۃ الاولیاء'' میں لکھا ہے کہ: انھوں نے دوسری شرط یہ بتائی کہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو جاؤ۔ تیسری یہ بتائی کہ تمھارا بھروسہ جو کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے، اس پر زیادہ ہونا چاہیے، بہ مقابلہ اس کے جو لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ [14]

حضرت شقیقؒ کے اس سفرِ سلوک میں ان کی فکر کا محور قران مجید رہا۔ انھوں نے ایک مرتبہ فرمایا: میں نے بیس سال قرآن مجید پر غور کیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ دنیا و آخرت کا فرق صرف دو جملوں میں ہے کہ:

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ [15]، [16]

(سو جو کچھ ملا ہے تم کو کوئی چیز ہو، سو وہ برت لینا ہے دنیا کی زندگانی میں، اور جو کچھ اللہ کے یہاں ہے، بہتر ہے اور باقی رہنے والا واسطے ایمان والوں کے، جو اپنے ربّ پر بھروسہ رکھتے ہیں۔)

امام جعفر صادقؒ سے حضرت شقیق بلخیؒ کی ملاقات

حضرت شقیق بلخیؒ کے بارے میں امام قشیریؒ نے ایک واقعہ یہ لکھا ہے کہ:

انھوں نے امام جعفر صادقؒ سے سوال کیا کہ فتوت (شرافت یا جواں مردی) کیا ہے؟

انھوں نے فرمایا کہ: پہلے تم بتاؤ تم اس سے کیا سمجھتے ہو؟

شقیقؒ نے کہا کہ: میرے نزدیک فتوت یہ ہے کہ اگر ہمیں کچھ ملتا ہے تو شکر کرتے ہیں اور نہیں ملتا تو صبر کرتے ہیں۔

امام جعفر صادقؒ نے فرمایا کہ: مدینہ میں کتے بھی یہی کرتے ہیں۔ یعنی اس میں کیا خوبی ہے؟

حضرت شقیقؒ نے پوچھا کہ: اے رسول اللہ کے نواسے! پھر آپ ہی بتائیے فتوت کیا ہے؟

انھوں نے فرمایا کہ: اگر ہمیں کچھ مل جائے تو دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔ اور اگر نہ ملے تب بھی شکر کرتے ہیں۔ [17]

امام ابن الملقّنؒ نے ''طبقات الاولیاء'' میں بھی یہ واقعہ درج کیا ہے، لیکن اس میں امام جعفر صادقؒ کی جگہ ابراہیم بن ادھمؒ کا تذکرہ ہے۔ [18] اگرچہ سند کے اعتبار سے پہلی روایت زیادہ بلند ہے، چوں کہ امام قشیریؒ متقدم، لیکن درایتاً دوسری روایت زیادہ

معتبر معلوم ہوتی ہے۔ چوں کہ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ، حضرت شقیق بلخیؒ کے استاد ہیں اور انھوں نے تربیت کے لیے اس طرح کا سوال کیا ہوگا۔ جب کہ امام جعفر صادقؒ سے ان کی ملاقات کسی اَور ذریعے سے ثابت نہیں۔ اور اگر ثابت بھی ہو جائے تو ان کے درمیان عمر کا فرق اتنا زیادہ ہے کہ بہ ظاہر اس قسم کا مکالمہ نہیں ہوسکتا۔ چوں کہ امام جعفر صادقؒ کی وفات شقیق بلخیؒ کی وفات سے 46 سال قبل ۱۴۸ھ میں ہوچکی تھی، اس لیے ہوسکتا ہے کہ امام قشیریؒ کی کتاب ''الرّسالہ'' میں واقعہ نقل کرتے ہوئے ابراہیم بن ادھمؒ کی جگہ امام جعفر صادقؒ کا نام شامل ہوگیا ہو۔ اور صوفیائے کرامؒ کے تذکروں میں ایسا ہو بھی جاتا ہے۔ خود ''الرّسالہ'' میں ایسی تصحیف کی ایک مثال آگے آ رہی ہے۔ ابن الملقّنؒ چوں کہ بہت بڑے محدث بھی ہیں، بخاری شریف کے شارح ہیں، اس لیے انھوں نے واقعہ اور سند کی چھان بھی محدثانہ شان سے ہی کی ہوگی۔

حضرت سفیان ثوریؒ کی خدمت میں

حضرت سفیان ثوریؒ کے بارے میں حضرت شقیق بلخیؒ کہتے ہیں کہ: میں نے ان سے ملاقات کی اور لباس کی سادگی ان سے سیکھی۔ انھوں نے اِزار پہن رکھا تھا، جس کی قیمت چار درہم تھی۔ جب وہ پالتی مار کر بیٹھتے یا اپنے پیر پھیلاتے تو اِزار کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے ان کی ستر کھلنے کا اندیشہ ہوتا تھا۔[19]

اسنادِ حدیث

حافظ ذہبیؒ نے ''العِبر فی خبر من غبر'' میں بہ حیثیت راوی خود حضرت شقیق بلخیؒ کو ضعیف میں لکھا ہے۔[20] ان کی روایات کو بھی محدثینؒ نے عام طور پر قبول نہیں کیا ہے، لیکن وہ حضرات زمانۂ روایتِ حدیث سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے صوفیا کے تذکروں میں ان کی مرویات اور اسناد کے بیان کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ حضرت شقیق بلخیؒ کے بارے میں ابن الملقّنؒ نے لکھا ہے کہ: انھوں نے امام ابوحنیفہؒ سے حدیث بیان کی۔[21] ابوعبدالرحمٰن السلمیؒ نے ان کی سند سے دو احادیث روایت کی ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث عباد بن کثیر ثقفی بصریؒ (متوفی ۱۵۰ھ) سے اور دوسری حدیث ابوہاشم ایلیؒ سے روایت کی ہے۔[22] ابوہاشمؒ سے ہی ایک اَور حدیث کی روایت ''تاریخ الاسلام'' میں امام ذہبیؒ نے بھی نقل کی ہے۔[23]

حضرت شقیق بلخیؒ کا حلقۂ اِرادات اور ملفوظات

ابن العماد نے بھی ان کے ایک سفر میں تین سو مریدوں کے ساتھ ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔[24] اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا حلقۂ اِرادت کافی وسیع تھا، لیکن ان کے اقوال عام طور پر حاتم اصم سے مروی ہیں۔

''طبقات الصوفیہ'' میں ان کے 27 مقولے نقل کیے ہیں۔ سب حاتم اصمؒ کی روایت سے ہیں۔ حاتم اصمؒ ان کے سب سے مشہور شاگرد ہیں۔ وہ خود بھی بڑے پائے کے صوفی تھے اور شقیق بلخیؒ کی خدمت میں طویل عرصہ رہے۔ ''ثمانی مسائل'' یعنی آٹھ مسائل کے نام سے انھوں نے حضرت شقیقؒ کے فیضِ صحبت کے ثمرات بیان کیے ہیں، جن کو مختلف تذکرہ نگاروں نے جمع کیا ہے۔[25] حضرت شقیقؒ کے ساتھ آخری دم تک لگے رہے۔ ان کے واقعۂ شہادت کے راوی بھی وہی ہیں۔[26]

حضرت حاتم اصمؒ کے علاوہ حضرت شقیقؒ کے ملفوظات کو ان کے پوتے علی بن محمد بن شقیق کے حوالے سے بھی بعض تذکرہ

نگاروں نے ذکر کیا اور حسن بن داوٗد بلخیؒ نے بھی ان کے بعض اقوال روایت کیے ہیں۔ [27]

وفات: حضرت شقیق بلخیؒ کی وفات کے سلسلے میں سبھی تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ ''کولان کی جنگ'' میں ترکوں کے خلاف جنگ کرتے ہوئے ۱۹۴ھ / 810ء میں شہید ہوئے۔ [28]

حضرت حاتم اصمؒ نے ان کی شہادت کے اس واقعے کو اس طرح بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ مَیں اور حضرت شقیقؒ ایک جنگ میں ساتھ تھے۔ ایک دن گھمسان کا رَن پڑا۔ اس میں سوائے سروں کے اڑنے، تلواروں کے ٹوٹنے اور نیزوں کے چلنے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اسی دوران ہم دو صفوں کے درمیان تھے کہ انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ اے حاتم! کیا محسوس کر رہے ہو؟ کیا تمھیں آج شبِ زفاف کی لذت نہیں آ رہی ہے؟ میں نے کہا: بہ خدا! ایسی تو کوئی بات مجھے نہیں محسوس ہو رہی ہے۔ حضرت شقیقؒ نے فرمایا کہ: واللہ مجھے تو ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے۔ حاتم کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت شقیقؒ نے ڈھال سرہانے رکھی اور دو صفوں کے درمیان سو گئے، حتیٰ کہ مجھے ان کے خراٹوں کی آواز آنے لگی۔ [29]

اندازہ ہوتا ہے کہ اس جنگ میں ان کے اَور ساتھی بھی شریک تھے۔ چناں چہ حاتمؒ نے اس قصے میں مزید کہا ہے کہ: میں نے اس جنگ میں اپنے اصحاب میں سے ایک کو دیکھا کہ رو رہا ہے۔ میں نے پوچھا: کیوں رو رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ: میرا بھائی شہید ہو گیا۔ [30]

اولاد: حضرت شقیق بلخیؒ کی اولاد کے بارے میں تفصیلات نہیں معلوم۔ ان کے ایک بیٹے محمد کا نام تذکروں میں ملتا ہے۔ وہ دراصل پوتے کے ذکر میں ملتا ہے۔ اور ایک بیٹے علی کا تذکرہ ان کی کنیت میں ہے۔ ممکن ہے کہ اَور بھی اولاد رہی ہوں۔

افکار و تعلیمات

حضرت شقیق بلخیؒ نے اونی کپڑے پہنے۔ مجذوبانہ تلاشِ حق میں سرگرداں پھرے۔ مختلف لوگوں سے روایات لیں اور مختلف شخصیات کی خدمت میں رہ کر سلوک و تصوف کے رموز سیکھے۔ شروع میں وہ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے، معروف معنوں میں دنیا دار قسم کے انسان تھے۔ بڑے دولت مند تھے۔ شاعری بھی کرتے تھے۔ جوانی کی اُمنگوں میں مگن رہتے اور کتے پالتے تھے۔

جب فکرِ آخرت دامن گیر ہوئی تو سب کچھ ترک کر دیا۔ دولت صدقہ کر دی اور اطمینان کی تلاش میں سرگرداں ہو گئے۔ ان کے افکار و خیالات جو ان کے بعض مریدوں نے خاص طور پر حضرت حاتم اصمؒ نے نقل کیے ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے ان کے یہاں فلسفیانہ طرزِ فکر نہیں ہے، بلکہ زیادہ عمل کی باتیں ہیں۔ عمل کے ذریعے کس طرح اپنی زندگی کو سنوارا جائے اور آخرت کی فکر کے پیشِ نظر، یہ زندگی کیسے گزاری جائے۔ حضرت شقیقؒ کی چند بنیادی تعلیمات اس طرح ہیں:

(الف) تَوَکُّل: حضرت شقیق بلخیؒ کے یہاں تَوَکُّل پر بڑا زور تھا۔ غالبًا اپنی ہنگامہ خیز معاشی زندگی کو ترک کرنے کے نتیجہ میں ان کے اندر تَوَکُّل کی فکر زیادہ بڑھ گئی۔ اور یہ فکر اتنی حاوی ہوئی کہ اکثر تذکرہ نگاروں نے ان کو اسی حوالے سے ذکر کیا ہے۔ ''**الرّسالہ**'' میں لکھا ہے کہ: ان کا سارا کلام تَوَکُّل کے بارے میں ہے۔ [31]

تَوَکُّل حضرتؒ کے فکر و عمل کا غالب پہلو ہے۔ تَوَکُّل کہتے کس کو ہیں؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت شقیق بلخیؒ نے فرمایا:

''التّوَکُّل یطمئنّ قلبک بوعود اللّٰہ''. (توکل یہ ہے کہ تیرا دل اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر مطمئن ہو جائے)

توکل کی مزید وضاحت آپؒ نے اس طرح کی کہ:

اگر تمھیں یہ جاننا ہو کہ یہ انسان کیسا ہے تو یہ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے پر اس کو زیادہ بھروسہ ہے یا انسان کے وعدے پر۔ یعنی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے تو متوکل ہے۔ اور انسانوں پر زیادہ بھروسہ ہے تو دنیادار ہے۔ [32]

ابونعیم اصفہانیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت شقیق بلخیؒ نے توکل کی چار قسمیں بیان کی ہیں:

1۔ تَوَکُّل علَی المال یعنی مال پر توکل کا مطلب یہ ہے کہ تم کہو کہ جب تک یہ مال میرے پاس رہے گا، مجھے کسی کی ضرورت نہیں۔

2۔ تَوَکُّل علَی النفس یعنی نفس پر توکل کا مطلب یہ ہے کہ انسان کلی طور پر صرف اپنے اوپر بھروسہ کرے۔

3۔ تَوَکُّل علَی النّاس یعنی لوگوں پر توکل کا مطلب یہ ہے کہ ہر ضرورت میں دوسرے لوگوں کی مدد کا یقین ہو۔

4۔ اور تَوَکُّل علَی اللّٰہ یعنی اللہ تعالیٰ پر توکل کا مطلب یہ ہے کہ تم یہ جانو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا ہے۔ وہی تمھارے رزق کا ضامن اور کفیل ہے۔ وہ تمھیں کسی کا محتاج نہیں کرے گا اور تم اس بات کو خود اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق اپنی زبان میں یوں کہو:

''وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ'' [33] (اور وہ جو مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے)

یہ تَوَکُّل علَی اللّٰہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ'' [34] (اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر یقین رکھتے ہو)

''وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ'' [35] (اور اللہ ہی پر چاہیے بھروسہ ایمان والوں کو)

''اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِیْنَ'' [36]، [37] (اللہ کو محبت ہے توکل والوں سے)

حضرت شقیق بلخیؒ کے یہاں توکل پر اتنا زور ہے کہ بسا اوقات وہ ترکِ وسیلہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس کی مثال چڑیا کا قصہ ہے جو اوپر گزر چکا ہے، لیکن شاید حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کی تربیت کے بعد انھوں نے ترکِ وسیلہ کا خیال چھوڑ دیا ہو، البتہ اس سے ان کے معیارِ توکل میں کوئی کمی نہیں آئی۔ وہ فرماتے تھے کہ:

''جو تمھارا رزق ہے، وہ ہر حال میں تم کو ہی ملے گا، کسی اَور کو نہیں مل سکتا''۔ [38] اس لیے انسان کو اللہ پر توکل کرنا چاہیے۔

حضرت شقیق بلخیؒ کے نزدیک توکل' ایمان کا پیمانہ ہے۔ حضرت شقیق بلخیؒ نے متعدد آیات سے استشہاد کیا ہے، جن کا حوالہ اوپر گزرا۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ توکل ایمان کا تقاضا ہے۔ انسان کے ایمان کی علامت یہ ہے کہ اس کا زیادہ بھروسہ کس پر ہے؟ اللہ کے وعدے پر یا انسانوں کے وعدوں پر؟ [39]

(ب) زُہد و تقویٰ کی حقیقت اور اہمیت: حضرت شقیق بلخیؒ کے عہد میں لفظ ''تصوف'' کا رواج نہیں تھا۔ اس عہد میں تصوف کے لیے لفظ ''زہد'' کا استعمال ہوتا تھا۔ اس لیے حضرت شقیق بلخیؒ نے بھی لفظ تصوف کا استعمال نہیں کیا۔ اس کے بجائے وہ ''زہد'' کا لفظ ہی استعمال کرتے تھے۔

حضرت شقیق بلخیؒ فرماتے ہیں کہ ''زہد''، ''رغبت'' کی ضد ہے۔ زاہد اور راغب کی مثال ان دو آدمیوں کی سی ہے، جن میں سے

ایک مشرق کی طرف جا رہا ہو اور دوسرا مغرب کی طرف۔ ان کے درمیان کچھ بھی مشترک نہیں ہے۔ ان کے مقاصد مختلف ہیں:

راغب یہ دعا مانگتا ہے کہ: اے اللہ مجھے مال، اولاد اور دولت عطا فرما، مجھے میرے دشمنوں کے مقابلے میں کامیاب فرما، ان کے شر، حسد، ظلم، مصیبت اور آزمائش مجھ سے دور فرما۔

زاہد کی دعا یہ ہوتی ہے کہ: اے اللہ! مجھے ڈرنے والوں کا علم اور عمل کرنے والوں کا خوف عطا فرما۔ متوکلین کا علم، مؤمنین کا توکل، صبر کرنے والوں کا شکر اور شکر کرنے والوں کا صبر، مغلوب ہو جانے والوں کی فروتنی، عاجزی کرنے والوں کی اِنابت (رجوع الی اللہ) اور سچوں کا زہد عطا فرما، اور مجھے ان شہدا میں شامل فرما جو زندہ ہیں، ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ یہ اس کی دعا ہے۔ دونوں کی دعائیں الگ الگ ہیں اور بہ خدا دونوں کے راستے جدا جدا ہیں۔ [40]

اسی طرح حضرت شقیق بلخیؒ زاہد یعنی صوفی کو دوسرے تمام گروہوں سے ممتاز کرتے ہیں۔ یعنی جو شخص زاہد ہوگا، اس کی فکر کا محور پورے طور پر اللہ تعالیٰ کی خشیت، اس پر توکل، صبر اور انابت ہوگا اور اس کی منزل شہدا میں شامل ہونا ہوگا۔ یعنی آخرت میں کامیابی ہی اس کی زندگی کا اصل مقصد ہوگا۔ اور اس کی کوشش یہ ہوگی کہ وہ آخرت میں سب سے اعلیٰ مقام حاصل کرے، جو مقام ان شہدا کا ہے، جن کے بارے میں قرآن میں آیا ہے کہ:

بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ [41] (وہ زندہ ہیں اور کھلائے پلائے جاتے ہیں۔)

جس شخص کی ساری تگ و دو دنیا کے لیے ہو، ہوا و ہوس میں مبتلا ہو، متبع ہوا و ہوس جس کی فکر کا محور اس کی دنیا کی زندگی ہو، ایسے شخص کے لیے حضرت شقیق بلخیؒ ''راغب'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ دنیا میں مال و اولاد کا حصول اور مصیبتوں اور پریشانیوں سے نجات حاصل کرنا ہی اس کی زندگی کا محور ہوتا ہے۔ آخرت کی فکر اس کے دائرۂ فکر میں شامل نہیں ہوتی۔

گویا حضرت شقیق بلخیؒ کے نزدیک جو شخص آخرت میں اعلیٰ درجات حاصل کرنے کی فکر میں یہ زندگی گزارے، وہ ''زاہد'' ہے۔ اور جس کی فکر کا دائرہ اس دنیا میں ہی محدود ہو، وہ ''راغب'' ہے۔

زہد کی ضد کے طور پر حضرت شقیق بلخیؒ ایک دوسرا لفظ یعنی ہوا (ہوس) بھی استعمال کرتے ہیں۔ اس لفظ کا استعمال اب بھی اسی معنی میں ہوتا ہے، لیکن اول الذکر کا استعمال اصطلاحاً ان معنوں میں نہیں ہوتا جن میں حضرت شقیق بلخیؒ نے اس کو استعمال کیا تھا۔

زاہد کے امتیازات بتاتے ہوئے حضرت شقیقؒ فرماتے ہیں کہ تین خصلتیں ہیں جو زاہد کا تاج کہلاتی ہیں:

1۔ اوّل یہ کہ وہ خواہشات کی پیروی نہ کرے، بلکہ خواہشات کے خلاف چلے۔

2۔ دوسرا یہ کہ وہ دل سے زہد کی طرف مائل ہو۔

3۔ تیسرا یہ کہ جب بھی اس کو فرصت کے لمحات میسر آئیں تو یہ سوچے کہ قبر میں داخل ہونا اور اس سے دوبارہ زندہ ہو کر نکلنا کس حال میں ہوگا اور قیامت کے دن کی طوالت، بھوک، پیاس، برہنگی، حساب اور صراط کو یاد کرے اور حساب کی طوالت اور اس دن کی رسوائی کو یاد کرے، اس کا یہ ذکر اس کو دھوکے کے گھر (یعنی اس دنیا) کے ذکر سے بے نیاز کر دے گا۔ [42]

زہد اللہ تعالیٰ سے قربت کا بھی ذریعہ ہے، بے شمار فضائل اس کے ذریعے انسان کو حاصل ہوتے ہیں۔ ایک موقع پر حضرتؒ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کے سب سے قریب وہ زُہّاد ہوں گے، جو اس سے سب سے زیادہ خوف کی روش اختیار کریں گے۔

www.rahimia.org

اور اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ محبوب وہ **زُھّاد** ہوں گے، جو اس کے لیے سب سے اچھے اعمال انجام دیں گے۔

اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے افضل وہ **زُھّاد** ہوں گے جو اس کے وعدوں پر سب سے زیادہ یقین ورغبت رکھنے والے ہوں گے (**اعظمهم فيما عنده رغبة**)۔

اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ باعزت وہ **زُھّاد** ہوں گے:

(الف) جو سب سے زیادہ تقویٰ کی روش اختیار کرنے والے ہوں گے۔

(ب) جو سب سے زیادہ سخاوت کرنے والے اور اس کے سامنے سب سے زیادہ جھکنے والے ہوں گے۔

(ج) جو یقین میں سب سے زیادہ ہوں گے۔ (43)

طریقۂ زہد: راہِ سلوک میں سالک کو مختلف منازل ومقامات سے گزرنا پڑتا ہے۔ صوفیائے کرامؒ نے اپنے اپنے ذوق و وِجدان کے مطابق ان منازل کا بیان کیا ہے۔ حضرت شقیق بلخیؒ نے بھی زہد کا راستہ اور اس میں آنے والی منازل کا بیان تفصیل سے کیا ہے، البتہ ان کی بیان کردہ منزلیں وہ نہیں ہیں، جو بعد میں صوفیا نے طے کیں۔ حضرت شقیق بلخیؒ ان کو ''منزل'' کہتے بھی نہیں۔ وہ ان کو ''ابواب'' یعنی دروازے کہتے ہیں۔ حضرت شقیق بلخیؒ کو منازل وابواب کے بیان سے زیادہ دلچسپی تھی بھی نہیں۔ ان کی زیادہ توجہ آخرت کی فکر اور اس فکر کے پیشِ نظر دنیا کے اعمال کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق انجام دینے پر تھی۔ اس دنیا میں انسان کو آرام وراحت بھی ہیں اور تکلیف ومصائب بھی۔ سالک کے لیے ضروری ہے کہ آرام وراحت اس کو خدا کی یاد سے غافل نہ کر دے اور تکلیف ومصیبت اس کو فریاد وواویلا میں مبتلا نہ کر دے۔ اور رحمتِ خداوندی سے مایوس نہ کر دے، بلکہ آرام وراحت موجبِ شکر گزاری ہو۔ اور اگر کوئی تکلیف پیش آئے تو اس پر صبر کرے۔

حضرت بلخیؒ فرماتے ہیں کہ: زہد کے راستہ کی طرف لے جانے والے دروازے چھ ہیں:

1۔ بھوک پر رضا اور سرور کے ساتھ صبر کرنا، اس پر واویلا اور فتور کے ساتھ نہیں۔

2۔ غریبی پر خوشی کے ساتھ صبر کرنا، غم کے ساتھ نہیں۔

3۔ طویل فاقہ کشی پر فضل واقبال کے ساتھ صبر کرنا، افسوس کے ساتھ، یعنی اس طرح رہنا گویا بھوکا ہے ہی نہیں، بلکہ شکم سیر ہے۔

4۔ عاجزی اور ذلت پر بہ طیبِ خاطر صبر کرنا، نہ کہ کراہت کے ساتھ۔

5۔ مصیبتوں پر رضامندی سے صبر کرنا، نہ کہ ناراضگی کے ساتھ۔

6۔ کھانے، پینے اور لباس کے بارے میں طویل غور وفکر کرنا کہ وہ کہاں سے آیا؟ کیسے آیا؟ اور ممکن ہے کہ ایسا ہو اور ہوسکتا ہے کہ ویسا ہو (یعنی یہ ضرور غور کرے کہ یہ جائز ذریعے سے ہی ہو)۔ (44)

شقیق بلخیؒ کے اس قول میں دو نکتے بیان کیے گئے ہیں:

i۔ ایک تو یہ کہ مصیبت پر ہر حال میں بہ طیبِ خاطر صبر کرنا چاہیے۔ یہ مصیبت بھوک و پیاس کی ہو، چاہے ذلت و تکالیف کی ہو۔

ii۔ دوسرا یہ کہ حرام چیزوں سے اجتناب کرنا چاہیے۔

حقیقی زاہد اور مصنوعی زاہد کے درمیان فرق: حضرت شقیق بلخیؒ نے زاہد اور متزہد (مصنوعی زاہد) کے درمیان فرق کرتے ہوئے دونوں کی خصوصیات بھی بتائی ہیں اور لوگوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ متزہد کی صحبت سے اجتناب کریں۔

متزہد کی خصوصیات بتاتے ہوئے کہا ہے کہ: متزہد وہ ہے جو دیکھنے میں خشوع و خضوع کا پیکر نظر آئے۔ اپنے **مَـدخَل** اور **مَـخـرَج** میں (یعنی چلنے پھرنے میں)، کھانے اور لباس میں، اعمال میں اور اپنی خواہشات میں زاہدوں کے مشابہ روش اختیار کرے، لیکن دنیا سے اس کی رغبت اور محبت اس کے اس دعوے کے خلاف گواہی دے۔ اس کی رضا راغبین کی رضا کی طرح ہوگی، لیکن اس کا حسد، اس کے مقاصد، اس کی لمبی چوڑی باتیں، اس کا گھمنڈ، اس کا فخر، اس کی بداخلاقی اور اس کی لچھے دار گفتگو اور لایعنی باتوں میں اس کا 'مستقل پڑے رہنا' اس کے نفاق کی دلیل ہے۔ اس سے بچو۔ لیکن اگر کسی شخص میں یہ دس خصائل ہوں تو اس کے بارے میں امید ہے کہ وہ زہد کے کسی نہ کسی دروازے میں ضرور ہوگا۔ وہ دس خصائل یہ ہیں:

1۔ نیکی سے اس کو خوشی ہو اور برائی پر افسوس کرے۔

2۔ اچھا کام کیا اور کوئی اس پر تعریف کرے تو اس کو ناپسند کرے اور اگر بغیر کوئی اچھا کام کیے کوئی اس کام کے حوالے سے اس کی تعریف کرے تو اس سے ایسے نفرت کرے جیسے خنزیر اور مردار کے گوشت یا خون سے نفرت کرتا ہے۔

''يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا'' (45) (تعریف چاہتے ہیں بن کیے پر)

3۔ جب ان خصلتوں کو پہچان لے اور انھی میں اپنے دن اور رات کے اوقات صَرف کرنے لگے تو اس کی خواہشات کم ہو جائیں گی اور جو سامنے آنے والا ہے (یعنی موت اور قیامت) اس کی فکر بڑھے گی۔

4۔ جب آدمی ایسے کام میں مشغول ہوگا، جس کے لیے اس کو پیدا نہیں کیا گیا (یعنی دنیاداری) تو اس کے غم بڑھ جائیں گے۔ ایسا لگے گا جیسے وہ مجنوں ہو۔ پھر اگر وہ اس چیز کو اسی وقت چھوڑ دے، جس نے اس کو اطاعتِ الٰہی سے روکے رکھا تو اس سے اس کو زہد کی مٹھاس ملے گی اور اس کے ذریعے وہ شیطان کے گروہ سے چھٹکارا پائے گا۔

5۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر اس کے نزدیک شہد سے زیادہ میٹھا، برف سے زیادہ ٹھنڈا ہو۔ اور سخت گرمی میں پیاس سے جاں بہ لب شخص کے لیے صاف، ٹھنڈا اور میٹھا پانی جتنا لذت آگیں ہوتا ہے۔ اللہ کا ذکر اس کے لیے اس سے زیادہ لذیذ ہو جائے گا۔

6۔ اس کو ان لوگوں کے پاس بیٹھنا جو زاہدوں کی تعریف کریں اور اس کو نصیحت کریں، زیادہ اچھا لگے گا، بہ نسبت ان کے جو انھیں درہم و دینار دیں۔

7۔ اگر کوئی شخص اپنے گناہوں پر بہت نہ روئے تو اس کی توبہ قبول نہ ہوگی۔

8۔ اس کی مسکراہٹ اور اس کی خوشی و مسرت کی کیفیت سے لوگ سمجھیں گے کہ اہلِ رغبت میں سے ہے، نہ کہ اہلِ خوف میں سے۔

9۔ اس کا دل اس سے یہ نہ کہے کہ تو کسی بھی اہلِ قبلہ سے افضل ہے۔

10۔ اپنے گناہوں پر نظر رکھے۔ دوسرے کے عیوب کی نکتہ چینی سے بچے۔

جس شخص میں یہ دس چیزیں ہوں گی، وہ امید ہے کہ **زُھَّـــاد** کے طریقے پر ہوگا۔ ان دس ابواب کے بعد سات اَور ابواب ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اوپر مذکور دس ابواب راہِ سلوک کی منازل میں اور ذیل میں مذکور سات ابواب راہِ سلوک

کے احوال ہیں:

1۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے دل سے عاجزی کرنا، نہ کہ صرف زبان سے۔

2۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے خوشی سے جھکنا، نہ کہ بے دلی سے۔

3۔ لوگوں سے بغیر لالچ کے حسنِ معاشرت اختیار کرنا۔

4۔ دنیا کی طرف جھکنے والوں سے ایسے بھاگنا جیسے گدھا شیر سے، اور ان سے ایسی نفرت کرنا جیسے گدھا درندوں کی آواز سے کرتا ہے۔

5- ہر ایسی چیز سے پناہ چاہنا، جس کے عذاب کا ڈر ہو، یا پھر اس پر ثواب کی کوئی امید نہ ہو۔

6- اپنے گناہوں پر رونے والوں کی صحبت اختیار کرنا۔

7- اور موت کے بعد آنے والے شدائد و مشکلات سے خوف کھانا۔

جس کے اندر یہ باتیں ہوں گی، وہ گویا سب سے افضل عبادت پر ہے اور **زُھّاد** کے طریقے پر گامزن ہے۔ بہ الفاظِ دیگر وہی صحیح معنوں میں زاہد یا صوفی ہے۔[46]

یہ پوری گفتگو ابونعیم اصفہانی نے ''**حلیۃ الاولیاء**'' میں نقل کی ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شاید کسی مجلس کی گفتگو ہے، یا کسی سالک کو کی گئی نصیحت ہے۔ اس پوری گفتگو میں درجِ ذیل نکات خاص طور پر اہم ہیں:

1۔ ہر قسم کی مصیبت کا مردانہ وار مقابلہ کرے اور اس پر صبر کرے اور اس کو بہ طیبِ خاطر برداشت کرے۔

2- ریا کاری اور نمود و نمائش سے اور غرور و تکبر سے دور رہے۔ نیک کام کرنے پر اس کو خوشی ہو۔ برے کام کے سرزد ہو جانے پر افسوس ہو۔ نیک کام پر اگر کوئی اس کی تعریف کرے تو اس کو ناگواری ہو، لیکن اگر ایسے کام پر کوئی اس کی تعریف کرے جو اس نے کیا ہی نہ ہو تو اس کو حد درجہ ناپسند کرے۔

3۔ ہر وقت مستقبل یعنی موت اور قیامت کے حساب کی فکر میں رہے۔

4۔ اچھے لوگوں کی صحبت اختیار کرے۔

5۔ اپنے عیوب پر نظر رکھے اور دوسروں کی خوبیوں پر۔

اگر کسی شخص میں یہ اوصاف پیدا ہو جائیں تو اس کے بارے میں یہ سوچا جاسکتا ہے کہ وہ زہد کی راہ پر گامزن ہے، لیکن اگر یہ اوصاف نہ پائے جائیں اور زہد کا دعویٰ ہو تو حضرت شقیق بلخیؒ کے مطابق وہ متزہد (مصنوعی زاہد) ہے۔ ایسے لوگوں کی صحبت سے بچنا چاہیے۔ حضرت شقیق بلخیؒ نے زاہد اور متزہد کے درمیان فرق کرنے کا ایک اَور اصول بتایا ہے کہ:

زاہد اپنے عمل سے زاہد ہوتا ہے اور متزہد اپنے قول سے۔[47]

وہ سالک کو نصیحت کرتے تھے کہ ہمہ وقت یہ دیکھو کہ تم اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کتنے جری ہو اور اللہ تعالیٰ کتنا حلیم ہے۔[48]

(ج) فکرِ آخرت: حضرت شقیق بلخیؒ کی نظر میں اہلِ طاعت ہی زندہ لوگوں میں شمار کیے جانے کے قابل ہیں۔ گناہ گار تو مُردوں کی مانند ہیں۔ سالک کو ہمہ وقت اس فکر میں رہنا چاہیے کہ مرنے کے بعد کی تیاری پوری رہے۔

فرماتے تھے کہ: موت کی ایسی تیاری کرو کہ جب موت آجائے تو یہ احساس نہ رہے کہ کاش اَور مہلت ملتی۔[49]

حضرت شقیق بلخیؒ کے نزدیک عقل مند آدمی وہ ہے، جو ہر وقت ان تین حالتوں میں سے کسی ایک حالت میں رہے:

1۔ اپنے پچھلے گناہوں پر ہر وقت خوف زدہ رہے۔

2۔ اس پر اگلا لمحہ کیا گزرے گا، یہ اس کو معلوم نہ ہو، یعنی ہر وقت اگلے لمحے کی فکر میں لگا رہے۔

3۔ انجامِ کار سے ہر وقت خائف رہے۔ چوں کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کا خاتمہ کس چیز پر ہوگا۔[50]

(د) عبادت: انسانی زندگی کا مقصد عبادت ہے اور عبادت کا مقصد یہ ہے کہ بندہ دنیا میں ایک مطمئن زندگی گزارے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام کا مستحق قرار پائے۔ اس کو جنت حاصل ہو جائے اور جہنم سے چھٹکارا مل جائے۔

حضرت شقیق بلخیؒ نے عبادت کے اس مقصد کو مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''عبادت'' کا حسن چار چیزیں ہیں:

1۔ جب بندہ اپنے آپ کو عبادت میں منہمک دیکھے تو اپنے دل سے کہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ اور میرے اوپر اللہ تعالیٰ نے ہی یہ انعام فرمایا ہے۔ وہ جب یہ سوچے گا تو اس کے اندر سے گھمنڈ اور غرور کا مادہ ختم ہو جائے گا۔

2۔ اس کا دل ہر وقت اَجر و ثواب میں اٹکا رہے۔ چوں کہ جب اس کا دل اَجر و ثواب میں لگا رہے گا تو ریاکاری کا خیال دل سے نکل جائے گا۔ کیوں کہ اب وہ اس نیت سے عمل کرے گا کہ اس کو اس پر ثواب ملے۔ اگر شیطان اس کے دل میں وسوسہ بھی ڈالے گا تو وہ کہے گا کہ میں یہ کام اس لیے کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اس پر اَجر عنایت فرمائے۔ جب وہ اس امید پر عمل کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کو ثواب عطا فرمائے تو لوگوں سے اس کی امیدیں اور لالچ (طمع) ختم ہو جائے گی۔

طمع یا لالچ کا مطلب ہے: خدا کو بھول جانا۔ بندہ جب اللہ کو بھول جاتا ہے، تب ہی اس کی امیدیں مخلوق سے وابستہ ہوتی ہے۔[41]

(ھ) معرفت: شقیق بلخیؒ نے معرفت کے بارے میں فرمایا کہ معرفت چار طرح کی ہوتی ہے:

1۔ اللہ کی تعالیٰ کی معرفت　　2۔ اپنے نفس کی معرفت

3۔ اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کی معرفت　　4۔ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی پہچان اور اپنے نفس کے دشمنوں کی معرفت

اللہ تعالیٰ کی معرفت یہ ہے کہ بندہ دل سے یہ جانے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے نہ کوئی دینے والا ہے، نہ کوئی روکنے والا ہے، نہ نقصان پہنچانے والا ہے، نہ فائدہ پہنچانے والا۔

معرفتِ نفس یہ ہے کہ تمھارا نفس یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر نہ تمھیں کوئی نفع دے سکتا ہے، نہ نقصان پہنچا سکتا ہے، اور نہ تم خود کوئی کام کر سکتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کو جاننے کا مطلب ہے کہ تم یہ جان لو کہ تمھارے اوپر اللہ تعالیٰ کا حکم بجا لانا لازم ہے اور تمھارا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ اور اس پر یقین کامل ہو کہ تمھیں رزق ملے گا۔ اعمال کو خلوص کے ساتھ انجام دو۔ اور اخلاصِ عمل کی پہچان تمھارے اندر دو خصلتوں کا ہونا ہے: طمع اور جزع، یعنی اُس عمل کے لیے جذبہ اور تڑپ۔

اللہ تعالیٰ کے دشمن کی معرفت کا مطلب یہ ہے کہ تم یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ کا ایک دشمن ہے، یعنی شیطان۔ اس سے جنگ کیے بغیر اللہ تعالیٰ تمھارا کوئی عمل قبول نہیں کرے گا۔ اور یہ جنگ دل کے اندر ہوتی ہے۔ آدمی اپنے دل میں جنگ کرے، عملی جہاد کرے اور دشمن (یعنی انسانی اور جناتی شیطان) کو تھکا دینے والا بنے۔[52]

www.rahmia.org

حضرت شقیق بلخیؒ نے مزید فرمایا کہ: معرفت کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ تمھارے پاس جو چیز ہے، اس کو تم سے لے کر دوسرے کو دے دے۔ اور اگر تمھارے پاس کوئی چیز نہ ہو تو وہ تم کو دے دے۔ (53)

(و) اقوالِ حکمت: حضرت شقیق بلخیؒ نے فرمایا کہ: اپنے آپ کو دنیا کی طلب میں ہلکان مت کرو۔ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک حکمت کا تقاضا رزق کی خاص مقررہ مقدار ہے تو تم از خود غنی نہیں ہو سکتے۔ (54)

انھوں نے فرمایا کہ: انسان اپنے ایمان کا جائزہ لین دین کے ذریعے بھی لے سکتا ہے:

اگر تمھاری نظر میں تمھیں دینے والا شخص زیادہ محبوب ہے تو یہ علامت اس بات کی ہے کہ تم دنیا دار ہو۔

اور اگر تمھاری نظر میں وہ شخص زیادہ محبوب ہے، جس کو تم دے رہے ہو تو اس کا مطلب ہے کہ تمھاری نظر میں آخرت کی فکر زیادہ ہے (**فإنک مُحِبٌّ للآخرۃ**)۔ (55)

انھوں نے فرمایا کہ: دنیا میں ایسے رہو جیسے لوگ آگ کے ساتھ رہتے ہیں، یعنی اس کا فائدہ تو اٹھاتے ہیں، لیکن اس میں جلنے سے بچتے ہیں۔ (56)

ایک مرتبہ فرمایا کہ: توبہ کیا ہے؟ پھر خود ہی فرمایا کہ: توبہ در اصل انسان کی گستاخانہ جرأت اور اللہ ربّ العزت کے عفو و درگزر کی تفسیر ہے۔ (57)

صبر اور رضا کے بارے میں بڑی خوب صورت بات ارشاد فرمائی کہ: صبر و رضا دو الگ الگ صورتیں ہیں:

جب کسی کام کا آغاز کیا جاتا ہے تو اُس کی ابتدا ''صبر'' سے ہوتی ہے اور اس کا اختتام ''رضا'' پر ہوتا ہے۔ (58)

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ:

اگر دنیا میں خوش رہنا ہے تو جو مل جائے وہ کھالو۔ جو میسر ہو وہ پہن لو۔ اور اللہ نے جو فیصلہ کر دیا اس پر راضی ہو جاؤ۔ (59)

حضرت شقیقؒ فرماتے تھے کہ عقل مند انسان کی تین خصلتیں ہوتی ہیں:

1۔ وہ ہمیشہ اپنے پچھلے گناہوں پر شرمندہ رہتا ہے۔
2۔ مستقبل کے بارے میں ہمیشہ فکرمند رہتا ہے کہ اگلے لمحے نہ جانے کیا ہوگا۔
3۔ انجامِ کار موہوم ہے، پتہ نہیں خاتمہ کس پر ہوگا، اس لیے وہ اپنے انجام کے لیے فکرمند ہوتا ہے۔ (60)

اوپر کے صفحات میں حضرت شقیق بلخی علیہ الرحمہ کی حیات اور ان کے افکار کا مختصر خاکہ پیش کیا گیا۔ اس سے بہ خوبی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ عظیم پائے کے صوفی تھے۔ ان کی زندگی عمل سے عبارت تھی اور انھوں نے عمل کی تلقین کی۔ انھوں نے اپنے اقوال میں ایسے معیارات رکھ دیے کہ ان کے ذریعے انسان اپنا جائزہ لے سکتا ہے کہ وہ دینی اعتبار سے کس مقام پر ہے؟ اور انھوں نے تصوف کی فکری تاریخ کا منہاج متعین کرنے کے لیے عظیم کارنامہ سرانجام دیا۔

- -

حوالہ جات

1۔ ذہبی: تاریخ الاسلام، تحقیق عمر عبدالسلام تدمری، دارالکتاب العربی، بیروت، طبع دوم 1993ء، ص: 228/13۔

2۔ ابونعیم اصفہانی: حلیۃ الاولیا و طبقات الاصفیا، دارالکتاب العربی، بیروت، لبنان غیر مؤرخہ، ص: 7/8، ابوالقاسم القشیری: الرسالہ، اردو ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن، ادارۂ تحقیقات اسلامی پاکستان، اسلام آباد، 1958ء، ص: 139-138۔

3۔ ابن الملقن: طبقات الاولیا تحقیق و تخریج نورالدین شریبہ، دارالمعرفۃ، طبع دوم 1986ء، ص: 13، الرسالہ القشیریۃ۔ (محولہ بالا، ص: 139)

4۔ الرسالہ (محولہ بالا) ص: 138۔ 5۔ ایضاً، ص: 138۔ 6۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، حدیث: 2385۔

7۔ ابن الملقن (محولہ بالا) ص: 15۔

8۔ ذہبی: تاریخ الاسلام، تحقیق عمر عبدالسلام تدمری، دارالکتاب العربی، بیروت، طبع دوم 1993ء، ص: 230/13۔

9۔ عبدالرؤف مناوی: الکوکب الدریہ فی تراجم سادۃ الصوفیا۔ تحقیق ڈاکٹر عبدالحمید صالح حمدان، المکتبہ الازہریہ للتراث، مصر، بدون سنہ ص: 223/1۔

10۔ طبقات الاولیا ص: 14۔ 11۔ تاریخ الاسلام، ص: 228/13۔ 12۔ 18- الکہف: 110۔

13۔ جمال الدین ابوالفرج ابن الجوزی: صفۃ الصفوۃ، دار ابن حزم، بیروت، 2008ء، ص: 663۔

14۔ حلیۃ الاولیا (محولہ بالا 59/8)، تاریخ الاسلام، ص: 229/13۔ 15۔ 42- الشوریٰ: 36۔

16۔ طبقات الصوفیا ص: 64۔ 17۔ الرسالہ، ص: 442۔ 18۔ طبقات الاولیا، ص: 9۔

19۔ تاریخ الاسلام ص: 230/13۔

20۔ ذہبی: العبر فی خبر من غبر، تحقیق ابوھاجر محمد بن سعید البسیونی زغلول دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان، 1985ء، ص: 246/1۔

21۔ طبقات الاولیا، ص: 14۔

22۔ ابوعبدالرحمٰن السلمی: طبقات الصوفیہ، تحقیق نورالدین شریبہ، دارالکتاب العربی، مصر، 1953ء، ص: 63-62۔

23۔ تاریخ الاسلام، ص: 231/13۔ 24۔ ابن العماد: شذرات الذہب، دارالمسیرہ، بیروت، 1979ء، ص: 341/1۔

25۔ صفۃ الصفوۃ، ص: 664۔ 26۔ حلیۃ الاولیا، ص: 46/8۔ 27۔ تاریخ الاسلام، ص: 229/13۔

28۔ ابن اثیر: الکامل فی التاریخ، تحقیق ابوالفدا عبداللہ القاضی، دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان 1987ء، ص: 370/5۔

29۔ حلیۃ الاولیا، ص: 64/8۔ 30۔ ابن خلکان: وفیات الاعیان، طبع بولاق، ص: 171/2۔ 31۔ الرسالہ، ص: 138۔

32۔ طبقات الصوفیہ، ص: 63۔ 33۔ 26- الشعراء: 79۔ 34۔ 5- المائدہ: 23۔ 35۔ 5- المائدہ: 11۔

36۔ 3- آلِ عمران: 159۔ 37۔ حلیۃ الاولیا، ص: 62-61/8۔ 38۔ طبقات الصوفیہ، ص: 63۔

39۔ طبقات الصوفیہ، ص: 64۔ 40۔ حلیۃ الاولیا، ص: 70/8۔ 41۔ 3- آلِ عمران: 169۔

42۔ حلیۃ الاولیا، ص: 62/8۔ 43۔ حلیۃ الاولیا، ص: 70/8۔ 44۔ ایضاً۔

45۔ 3- آلِ عمران: 188۔ 46۔ حلیۃ الاولیا، ص: 66/67/8۔ 47۔ طبقات الصوفیہ، ص: 64۔

48۔ طبقات الصوفیہ، ص: 65۔ 49۔ طبقات الصوفیہ، ص: 63۔ 50۔ طبقات الصوفیہ، ص: 64۔

51۔ حلیۃ الاولیا، ص: 60/8۔ 52۔ حلیۃ الاولیا، ص: 61-60/8۔ 53۔ حلیۃ الاولیا، ص: 66/8۔

54۔ الکوکب الدریہ، ص: 222/2۔ 55۔ طبقات الاولیا، ص: 64۔ 56۔ الکوکب الدریہ، ص: 222/2۔

57۔ طبقات الصوفیا، ص: 65۔ 58۔ ایضاً۔ 59۔ ایضا ص: 66۔ 60۔ ایضا ص: 63۔

☆

www.rahmia.org

شخصیات

حضرت مولانا سیّد منظور احسن دہلویؒ

(خلیفہ مجاز حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری قدس سرہٗ)

تحریر: مولانا مفتی محمد اشرف عاطف

رفتید ولے نہ از دلِ ما

زندہ قومیں اپنے اکابر اور اہلِ کمال کے تذکرے سے اپنے لیے روحِ عمل پیدا کرتی ہیں اور وہ اہلِ کمال مسلسل محنت، سوزِ دروں اور خونِ جگر سے گلشنِ انسانیت کی آب یاری کرتے ہیں۔ اور اسے سرسبز و شاداب رکھنے کے لیے ہر طرح کی جدوجہد اور ہر وقت مصروفِ عمل رہتے ہیں۔ مشیتِ ایزدی خود ایسے افراد کا ان کی صلاحیت و استعداد کے مطابق انتخاب کرتی ہے۔ ان سے انسانی فلاح و خدمت کا کام لیا جانا مقصود ہوتا ہے۔ انھیں اہلِ کمال میں سے تھے وہ جن کی خوبی و خصوصیت تھی مخلوقِ خدا سے محبت و اپنائیت۔ جو قدرت سے بے نیاز طبیعت لے کر پیدا ہوئے اور آخری سانس تک اس پر قائم رہے۔ تمام عمر قلندرانہ زندگی بسر کی۔ شگفتہ مزاجی و خوش طبعی ان کا وصفِ خاص تھا۔ برجستہ کلامی اور لطیفہ گوئی و ظرافت سے محفل کو زعفرانِ زار بنا دیتے۔ وہ اظہارِ حق میں بے باک، لیکن اندازِ بیان میں محتاط، جمالیات کے نکتہ شناس اور اَسلاف کے رُتبہ شناس ؎

بہت لگتا تھا جی صحبت میں اُن کی
وہ اپنی ذات میں اِک انجمن تھے

جی ہاں! یہ ہیں ولی اللّٰہی سلسلے کے راہِ نورد حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے معتمد و دستِ راست، تنظیم فکرِ ولی اللّٰہی پنجاب کے سرپرست، ہمارے استادِ محترم، حضرت مولانا منظور احسن دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ احباب جن کے حسنِ مصاحبت، حسنِ معاشرت اور حسنِ تکلّم کے گرویدہ تھے۔ جو اپنے اَخلاق اور شائستہ کلامی سے نوجوانوں کو ایسا مانوس کرتے کہ وہ گرویدہ ہوجاتے۔ جن کے عمل کی جولان گاہ کبھی ایک نہیں رہی۔ وہ بہ یک وقت مختلف میدانوں کے شہ سوار تھے۔ وعظ و خطابت ہو یا تحریر و تقریر، نوجوانوں کی تربیت کی عملی صورت گری ہو یا شریعت و طریقت، سیاست و معیشت کے اَسرار و رموز کی تفہیم و گرہ کشائی، ہر میدان کے وہ شناور تھے۔

آپ کا سوانحی خاکہ کچھ اس طرح ہے۔

ولادت و بچپن

آپؒ ہندوستان کے دل دِلّی میں پیدا ہوئے۔ دِلّی جس کے بارے میں میر تقی میر نے کہا ؎

دِلّی جو اِک شہر تھا عالَم میں انتخاب
رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے
اس کو فلک نے لوٹ کے ویرانہ کر دیا
ہم رہنے والے ہیں اسی اُجڑے دیار کے

اور مزید کہا:

دِلّی کے جو کوچے تھے، اوراقِ مصور تھے
جو شکل نظر آئی، تصویر نظر آئی

جی ہاں! آپؒ اسی دِلّی شہر میں تقریباً 1937ء میں محلّہ لال کنواں میں پیدا ہوئے۔ آپؒ کے والد حکیم محمود الحسن دہلی کے مشہور طبیب تھے۔ آپؒ کی والدہ کا تعلق بڑودہ سے تھا۔ آپؒ کے نانا قاری محمد اسماعیل مرحوم بڑودہ سے دہلی میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ آپؒ کل چار بھائی اور چار ہمشیرگان تھیں۔ بھائیوں میں سب سے بڑے آپؒ تھے۔ آپؒ کے بعد حکیم مسعود احمد، حافظ ظہور الحسن اور فیض الحسن۔ حافظ ظہور الحسن آپؒ کی زندگی میں ہی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ آپؒ کی دو بیٹیاں تھیں، جن کی شادیاں ہوئیں اور آج بہ قیدِ حیات اور صاحبِ اولاد ہیں۔

آپؒ ذرا بڑے ہوئے تو اپنے نانا سے ناظرہ قرآن مجید اور دیگر آدابِ معاشرت سیکھے۔ آپؒ کے نانا کا بیعت کا تعلق حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ سے تھا۔ اپنے نانا کی برکت سے علمائے حق کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

دہلی میں جہاں کہیں جمعیت علمائے ہند کا جلسہ ہوتا تو آپؒ کے نانا آپؒ کو جلسے میں ساتھ لے جاتے۔ اس طرح بچپن ہی سے آپؒ اکابر علمائے حق، خصوصاً مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مولانا احمد سعید دہلویؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اور دیگر اکابرؒ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ گویا بچپن میں ہی اپنے نانا کی برکت سے آپؒ کی آنکھیں اہلِ حق کے دیدار سے اور آپؒ کے کان ان کی آواز سے مانوس تھے۔ اس لیے بعد میں فکری و نظریاتی رُجحان بھی ان ہی اکابر کی طرف تھا۔

ابتدائی پرائمری تک سکول کی تعلیم تو آپؒ کی دہلی میں ہی ہوئی۔ دینی تعلیم کا آغاز اپنے نانا سے کیا۔

تقسیم ہند کے بعد

تقسیمِ ہند کے وقت آپؒ کی عمر تقریباً دس سال کی تھی۔ تقسیم کے وقت آپؒ کا خاندان دِلّی سے ملتان میں آ کر آباد ہوا۔ آپؒ کے والدین اور ماموں وغیرہ ملتان میں آ بسے۔ اندرون حرم گیٹ میں آپؒ کے والد صاحب مرحوم کو مکان الاٹ ہوا اور کالے منڈی بازار میں آپؒ کے والد صاحب نے ''شافی دواخانہ'' کے نام سے حکمت کی دوکان شروع کی۔

تعلیم کا آغاز

پرائمری تک سکول کی تعلیم تو دِلّی میں ہو گئی تھی۔ آپؒ کے والد مرحوم آپؒ کو حکمت (طب) کی تعلیم دلانا چاہتے تھے اور اس

www.rahmia.org

کے لیے عربی و فارسی جاننے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیوں کہ حکمت کی اکثر کتابیں فارسی یا عربی زبان میں ہیں۔ تو اس مقصد کے پیشِ نظر آپؒ کو جامعہ خیر المدارس ملتان میں داخل کرا دیا۔ خیر المدارس میں اس وقت جید اہلِ علم مسندِ تدریس پر فائز تھے۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوریؒ، جو تقسیم سے قبل جامعہ مظاہر العلوم سہارن پور میں صدر مدرّس تھے۔ حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ جو حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ اور مدرسے کے مہتمم تھے اور مولانا عبدالشکور کامل پوریؒ، حضرت مولانا محمد شریف کشمیریؒ سابق استاذ دارالعلوم دیو بند وغیرہ۔

مولانا عبدالرحمٰن کامل پوریؒ کی خدمت میں کبھی کبھی کوئی دیسی دوا ہدیتاً پیشِ خدمت کرتے تو وہ آپؒ کے ساتھ بڑی شفقت فرماتے۔ اہلِ مدارس کا چوں کہ پڑھنے پڑھانے سے تعلق ہوتا ہے، اس لیے دماغی طاقت کے لیے کوئی نہ کوئی مقوی دوا اور خمیرہ وغیرہ استعمال کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح ان حضرات کو جب بھی کسی دوائی کی ضرورت ہوتی تو مولاناؒ کو یاد فرماتے۔ تو عربی و فارسی کی کتب ان حضرات کی سرپرستی میں خیر المدارس میں پڑھیں۔ مشیتِ ایزدی یہ تھی کہ علومِ حکمت کے ساتھ ساتھ علومِ دینیہ کے نور سے بھی آپؒ کا سینہ منور ہو۔ چناں چہ تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔

بڑی کتابوں کی تعلیم کے لیے آپؒ نے جامعہ قاسم العلوم ملتان میں داخلہ لیا اور وہیں سے درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ اس دوران شہر کے ممتاز اہلِ علم سے بھی کسبِ فیض کیا۔ مولانا محمد حسنؒ خطیب جامع مسجد چوک شہیداں سے بھی چند کتابیں پڑھیں۔ جامعہ قاسم العلوم ملتان میں آپؒ کے اساتذہ میں حضرت مولانا عبدالخالقؒ بانی دارالعلوم کبیر والا، حضرت مفتی محمد شفیع ملتانیؒ مہتمم مدرسہ، حضرت مولانا مفتی محمودؒ اور حضرت مولانا موسیٰ خان روحانی بازیؒ وغیرہم حضرات تھے۔

۱۳۷۶ھ/ 1956ء میں آپؒ نے درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ فراغت کے بعد کچھ عرصہ آپؒ نے مدرسہ تعلیم الابرار ملتان میں درسِ نظامی کی متوسط کتابیں پڑھائیں۔ اسی دوران محکمہ اوقاف کی طرف سے اعلان ہوا کہ خطبا کی ضرورت ہے۔ آپؒ نے انٹرویو دیا اور منتخب ہو گئے۔ شیخ اکرام الحق جو اس وقت چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف تھے، انھوں نے درگاہ خواجہ بہاء الدین زکریاؒ کی جامع مسجد کی خطابت کے لیے آپؒ کا تقرر کیا، بلکہ آپؒ کو ڈسٹرکٹ خطیب بنا دیا گیا۔

علومِ اسلامیہ اکیڈمی کوئٹہ میں تربیتی کورس

اس کے ساتھ ہی خطبا کی ٹریننگ کے لیے محکمہ اوقاف کی طرف سے کوئٹہ میں ایک اکیڈمی علومِ اسلامیہ بنائی گئی، جس میں ملک کے ہر طبقہ فکر کے جید علما کو خطبا کی ٹریننگ کے لیے مدعو کیا گیا، جن میں مولانا شمس الحق افغانی، مولانا احمد سعید کاظمی، مولانا عبدالرشید نعمانی وغیرہم حضرات ٹرینر کے طور پر بلائے گئے۔ کوئٹہ میں یہ تربیتی سیشن 6/ستمبر 1962ء تا 25/نومبر 1962ء تک رہا۔ گویا ٹریننگ کے لیے آپؒ تقریباً تین ماہ علومِ اسلامیہ اکیڈمی کوئٹہ میں رہے۔ تین ماہ بعد اوقاف کی یہ اکیڈمی جامعہ عباسیہ بہاول پور میں منتقل ہو گئی۔

اس کے بعد آپؒ نے جامعہ عباسیہ میں ہی دعوت و ارشاد میں تخصص کیا، جو کہ ایم اے اسلامیات کے مساوی تھا۔ تخصص کا یہ دورانیہ دو سال پر مشتمل تھا۔ جامعہ عباسیہ میں ہی ملک کے مشہور ماہرِ لسانیات اور دانشور علامہ مضطر عباسی مرحوم سے مولاناؒ کی

ملاقات ہوئی۔ اُن سے مولانا کا تادمِ آخر مخلصانہ تعلق قائم رہا۔ اس وقت علامہ مضطر عباسی تاریخ میں تخصص کر رہے تھے۔ ان کا حضرت شاہ سعید احمد رائے پوریؒ سے بھی عقیدت و محبت کا تعلق تھا۔

اس عرصے میں جامعہ میں مولانا شمس الحق افغانیؒ سے علمِ تفسیر اور مولانا عبدالرشید نعمانیؒ سے علم حدیث پڑھا۔ آپؒ مولانا افغانی کے علمی مقام و مرتبے کے بڑے معترف تھے، تاہم ان کے سیاسی و معاشی نظریات سے اتفاق نہ تھا۔

اوقاف کی خطابت سے علاحدگی اور اکابر سے پختہ وابستگی کا اظہار

اُدھر جامعہ عباسیہ بہاول پور سے فراغت ہوئی اور اِدھر سجادگانِ درگاہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ نے اپنے مزعومہ خیالات کے سبب آپؒ کو ڈسٹرکٹ خطابت سے معزول کرادیا۔ یہ واقعات 64-1963ء کے ہیں۔ محکمہ اوقاف کی خطابت سے معزولی کے بعد آپؒ ملتان میں ہی مقیم رہے۔

جن دنوں آپؒ کو ڈسٹرکٹ خطیب کے عہدے سے معزول کیا گیا، اُن دنوں مولانا عبدالقادر آزادؒ خطیب بادشاہی مسجد لاہور، جو اُس وقت بہاول پور میں ایک ادارہ چلا رہے تھے، نے آپؒ سے رابطہ کیا۔ مولانا عبدالقادر آزادؒ سے آپؒ کے خاندانی تعلقات تھے۔ مولانا آزادؒ کے والد اُس وقت کبیر والا میں مقیم تھے۔ اُن کا حضرت مولاناؒ کے والد کے ساتھ تعلق تھا اور آنا جانا تھا۔ غالباً وہ بھی دہلی کے نواح کے رہنے والے تھے۔ مولانا عبدالقادر آزادؒ مولانا منظور احسنؒ کے ساتھ قاسم العلوم کے زمانے کے ہم جماعت بھی تھے اور باہم دوستانہ تعلقات تھے۔ مولانا عبدالقادر آزادؒ نے کہا کہ یہ ایک فارم ہے، اس کو پُر کرکے دے دو تو تمھاری ڈسٹرکٹ خطابت بھی بحال ہوجائے گی اور بھی بہت سے مفادات حاصل ہوں گے۔ ساری زندگی عیش کرو گے۔ مولاناؒ نے وہ فارم دیکھا تو وہ کسی امریکی این جی او کا فارم تھا، جس کا تعلق سی آئی اے سے تھا۔ گویا امریکی مفادات کے لیے کام کرو تو بہت کچھ مل جائے گا، لیکن مولاناؒ نے وہ فارم دیکھتے ہی معذرت کرلی اور سوچا کہ جن بزرگوں سے ہم تعلق کا دم بھرتے ہیں، اُنھوں نے تو ساری عمر سامراجی مقاصد کے خلاف کام کیا اور اس سلسلے میں بڑی تکالیف جھیلیں۔ اور ہم اُن کے نام لینے والے سامراجی مقاصد کے لیے استعمال ہوں، یہ نہیں ہوسکتا۔

فراغت کے بعد ننکانہ صاحب میں خطابت

آپؒ کو اپنے استاذِ گرامی حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان سے بھی عقیدت تھی۔ آپؒ گاہے بہ گاہے اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ حضرت مولانا خیر محمدؒ نے 1966ء میں آپؒ کو ننکانہ صاحب بھیجا۔ ننکانہ میں جالندھر کے مہاجر آباد تھے۔ مولانا خیر محمد صاحبؒ اپنے مدرسہ خیر المدارس کے لیے مالی تعاون حاصل کرنے کے لیے ننکانہ صاحب تشریف لے جاتے تو وہاں کے احباب نے ننکانہ کی مرکزی جامع مسجد غلہ منڈی کی خطابت کے لیے خطیب کی درخواست کی تو آپؒ کی نظرِ انتخاب آپؒ پر پڑی۔ چناں چہ آپؒ مولانا خیر محمدؒ کے کہنے پر ننکانہ صاحب تشریف لے گئے اور تقریباً دو سال ننکانہ میں رہے۔ ننکانہ میں نمازِ فجر کے بعد درسِ قرآن اور رات کو عشا کے بعد تعلیمِ بالغاں کی کلاس ہوتی، جس میں قرآن مجید کا ترجمہ و تفسیر پڑھاتے۔ کلاس کے نوجوان آپؒ کے طریقۂ تعلیم اور اسلوبِ بیان سے خاصے متأثر تھے، تاہم وہاں کا ماحول آپؒ کو راس نہ آیا اور

دو سال بعد استعفیٰ دے کر واپس ملتان تشریف لے گئے۔

ملتان میں قیام کے دوران جامع مسجد چوک شہیداں میں آپؒ کے استاد حضرت مولانا محمد حسنؒ خلیفہ مجاز حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ امام وخطیب تھے۔ ان کے کہنے پر درسِ نظامی کی کتب کی تدریس شروع کردی۔ وہیں پر احقر راقم السطور اور حضرت مولانا محمد حسن شہیدؒ کے صاحبزادے مولانا محمودالحسن نے آپؒ سے ابتدائی عربی و فارسی کی کتب پڑھیں۔ فارسی میں گلستان و بوستان اور عربی میں کافیہ، قدوری تک آپؒ سے کسبِ فیض کیا۔

حضرت مولاناؒ کی تعلیمی اسناد

1۔ **سند الفراغ من المدرسة الإسلامية العربية قاسم العلوم: ۱۳۷۶ھ**

آپؒ کی قاسم العلوم کی سند پر جہاں اَور اہلِ علم کے دستخط ہیں، وہاں امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے تلمیذِ رشید شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے بھی دستخط ہیں۔

2۔ **سند الفراغ لترجمة القرآن المجيد من المدرسة العربية بمخزن العلوم خانفور: ۱۳۷۷ھ**

3۔ سرٹیفکیٹ از حامد حسن بلگرامی ڈائریکٹر اکیڈمی علومِ اسلامیہ، کوئٹہ: 1962ء

4۔ **شهادة الجامعه عباسيه تخصص فى الدعوة و الإرشاد: 1964ء**

5۔ **سند الإجازة لنشر علوم الدّينية** از حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ: ۱۳۸۸ھ

6۔ **شهادة العالمية از وفاق المدارس العربية پاکستان: ۱۴۰۹ھ**

7۔ سند حکیم حاذق از حکیم محمد حسن قرشی، صدر طبی بورڈ، پاکستان: 1968ء

8۔ سند اجازتِ حدیث از حضرت علامہ شمس الحق افغانی: ۱۳۸۳ھ

جامعہ ملیہ فرید ٹاؤن ساہیوال میں آمد اور قیام

اسی دوران فرید ٹاؤن ساہیوال کے احباب نے 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے شہدا کے نام پر ''مسجدِ شہدا'' کی تعمیر کا ارادہ کیا۔ مسجد کا سنگِ بنیاد جمعیت علمائے ہند کے سابق جنرل سیکرٹری مفتی محمد نعیم لدھیانوی مرحوم سے رکھوایا۔ مسجد کے ہال کی دیواریں اور برآمدہ تیار ہونے پر خطیب کے لیے یہاں کے احباب نے بھی حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ سے رجوع کیا۔ انھوں نے مولاناؒ کو ساہیوال بھیجا۔ اس طرح آپؒ کا مسجد شہدا کے خطیب کی حیثیت سے تقرر ہوا اور پھر آپؒ ساہیوال ہی کے ہو کر رہ گئے۔ چناں چہ آپؒ مستقل طور پر ملتان سے ساہیوال تشریف لے آئے، لیکن آتے ہی بعض شرپسند عناصر نے وہاں دوسری جماعت شروع کردی۔ مسلکی جھگڑا پیدا کر کے مسجد پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ خطرناک صورتِ حال کے پیشِ نظر گورنمنٹ نے مسجد سیل کردی۔ کورٹ تک بات پہنچی تو آپؒ کے قریبی رفقائے کار میں سے ایک چودھری محمد شفیق ایڈووکیٹ مرحوم (بھائی محمد لئیق کے والدِ محترم) بڑے دبنگ وکیل تھے۔ آپ کا یہ اعزاز بھی تھا کہ آپ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے مرید تھے۔ آپ نے کورٹ میں مسجد کا مقدمہ نہایت جرأت سے لڑا، کامیاب ہوئے اور مسجد کو واگزار کروایا۔ مسجد کی دیگر تعمیرات ہال کی

چھت وغیرہ مولانا منظور احسنؒ کی کوششوں سے مکمل ہوئی۔ آپؒ نے تقریباً تیس سال مسجد کی خدمت کی۔ جمعہ کا خطبہ اور نمازِ فجر کے بعد پابندی سے درسِ قرآن دیتے۔ آپؒ کے درسِ قرآن میں بہت رونق ہوتی تھی۔ بہت سے نمازیوں کی آپؒ کے درسِ قرآن کی برکت سے عقائد ونظریات اور اعمال کی اصلاح ہوئی۔

حضرت شیخ الہندؒ سے فکری وعلمی مناسبت

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے فکری مناسبت اس قدر تھی کہ اپنی مجالس میں اکثر حضرت شیخ الہندؒ کا تذکرہ کرتے۔ جامع مسجد شہیداں ملتان میں ہر روز درسِ قرآن دیتے تو درس کے دوران حضرت شیخ الہندؒ کا ترجمہ قرآن ہی پیش نظر ہوتا۔ اور فرماتے کہ: یہ ترجمہ انتہائی جامع ہے۔ ایک ہی بات سے متعدد مفاہیم مراد لیے جاسکتے ہیں۔ ایک ہی آیت سے سیاسی، معاشی، سماجی پہلو مراد لیے جاسکتے ہیں۔ وہ بات جو کئی جملوں میں کہی جاسکتی ہے، وہ حضرت شیخ الہندؒ چند الفاظ میں ترجمہ کرتے ہوئے واضح کردیتے ہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ کے تلامذہ میں سے اس وقت حضرت مولانا عزیر گلؒ بہ قیدِ حیات تھے۔ تو اُن کی زیارت و ملاقات کا بھی شدت سے اشتیاق تھا۔ چناں چہ جب 1976ء میں ان کی زیارت و ملاقات کے لیے عازمِ سفر ہوئے، راقم السطور بھی اس سفر میں آپؒ کے ساتھ تھا۔ پہلے پشاور پہنچے۔ وہاں سے آپؒ کے علومِ اسلامیہ اکیڈمی کوئٹہ کے ساتھی مولانا فضلِ حق خطیب ہشت نگری گیٹ پشاور اور مولانا مظفر شاہ صاحب خطیب چوک یادگار کو ساتھ لیا اور حضرت مولانا عزیر گلؒ کے گاؤں سخاکوٹ پہنچے، جو مروان کے قریب مالاکنڈ ایجنسی میں واقع ہے۔ حضرتؒ سے ملاقات ہوئی۔ حضرتؒ کے صاحبزادگان نے چائے وغیرہ سے ضیافت کی۔ آپؒ نے وجہ آمد پوچھی۔ عرض کیا کہ آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ آپؒ نے حضرت شیخ الہندؒ کے حوالے سے ایک دو جملے تعریف وتوصیف میں کہے اور پھر خاموش ہوگئے۔ ان دنوں آپ بہت کم اور محتاط گفتگو فرماتے تھے۔

حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ سے ملاقات

اسی سفر میں حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ کی ملاقات و زیارت کے لیے ان کے گاؤں ترنگ زئی پہنچے، جو تحریکِ آزادی کے عظیم رہنما اور حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے درمیان پیغام رسانی کی اہم ذمہ داری انجام دینے والے خان عبدالغفار خاں کے گاؤں اتمان زئی کے متصل واقع ہے۔ حضرت مولانا افغانیؒ بھی حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد اور دارالعلوم دیوبند میں شیخ التفسیر تھے۔ حضرت مولانا منظور احسنؒ نے جامعہ عباسیہ بہاولپور میں حضرت افغانیؒ سے تفسیر پڑھی تھی۔ ملاقات میں بہاولپور میں استفادے کی صحبتوں کا ذکر ہوا۔ اس موقع پر حضرت افغانیؒ نے حضرت مولانا اور راقم السطور کو سند اجازتِ حدیث بھی عطا کی۔

1980ء میں مولانا منظور احسنؒ نے اپنے چند رفقائے ولی اللّٰہی جن میں سیّد مطلوب علی زیدی، ڈاکٹر سعید الرحمٰن، حافظ محمود الحسن مرحوم اور راقم السطور کے ساتھ سیّد اسماعیل شہیدؒ کی قبر پر فاتحہ خوانی کے لیے بالاکوٹ کا سفر کیا۔ یہ سفر بھی انتہائی دلچسپ تھا۔ آپؒ کے ساتھ سفر کرنے والا اور آپؒ کی مجلس میں بیٹھنے والا کبھی بور اور ملول نہ ہوتا۔ آپؒ کی پُرمزاح گفتگو سے ہر شریکِ مجلس

محظوظ ہوتا۔

خانقاہِ رائے پور سے تعلق

آپؒ نے زمانۂ طالبِ علمی میں ہی حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے تربیت و اصلاح کا تعلق قائم کرلیا تھا۔ حضرت رائے پوری ثانیؒ غالباً لاہور تشریف لائے تو اس وقت آپؒ ان سے بیعت ہوگئے۔ 1960ء میں آپؒ اپنے ایک دوست مولانا اللہ یار مرحوم کے ساتھ حضرت رائے پوریؒ کی خدمت میں حاضری اور کچھ وقت آپؒ کی خدمت میں گزارنے کے لیے رائے پور ہندوستان تشریف لے گئے اور تقریباً ایک ماہ حضرتؒ کی خدمت میں رہے۔ حضرت رائے پوری ثانیؒ کے وصال پر ڈھڈیاں سرگودھا میں ان کے جنازے میں بھی شریک ہوئے۔

حضرت رائے پوری ثانیؒ کے بعد اُن کے جانشین اور خانقاہِ رائے پور کے مسند نشینِ ثالث حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ کے ساتھ بھی اسی طرح محبت وعقیدت کا تعلق رہا۔ تقریباً ہر ماہ حضرت اقدسؒ کی خدمت میں سرگودھا حاضری دیتے۔ حضرت اقدسؒ بھی آپؒ سے بہت شفقت فرماتے۔ غالباً 70-1969ء کی بات ہے کہ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ ملتان تشریف لائے۔ حضرت اُس وقت چودھری عبدالخالق مرحوم کے مکان پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت! ہماری بیعت تو حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے تھی۔ ان کے بعد آپ بیعت فرما لیجیے۔ تو حضرتؒ نے کہا کہ: ''نہیں! ہمارے سلسلے میں شیخ کے وصال کے بعد بھی نسبت کا فیض جاری رہتا ہے۔ اس لیے تجدیدِ بیعت کی ضرورت نہیں۔'' اسی موقع پر راقم السطور اور مولانا محمود الحسن مرحوم کو مولاناؒ نے حضرت اقدس رائے پوری ثالثؒ سے بیعت کرایا۔

رائے پور حاضری

نومبر 1987ء میں حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ رائے پور (ہندوستان) تشریف لے گئے تو آپؒ بھی اس سفر میں حضرت اقدسؒ کے ساتھ تھے۔ رائے پور کی خانقاہ کے روحانی ماحول میں تقریباً ڈیڑھ ماہ گزارا۔ وہاں حضرت اقدس رائے پوریؒ کے حکم سے وعظ و نصیحت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ رائے پور کے گرد و نواح میں واقع قصبات اور گاؤں میں تشریف لے جاتے۔ اُن کے ہمراہ حضرت مولانا منظور احسنؒ بھی ہوتے۔ ہر جگہ حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ کے بیان سے پہلے حضرت مولاناؒ کے اصلاحی بیانات ہوتے تھے۔ اس سے گرد و نواح کے پورے ماحول میں اصلاح ہوئی اور لوگوں کا خانقاہ کی طرف رجوع ہوا۔ اسی موقع پر 15/جنوری 1988ء کو حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ نے حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ حضرتؒ کی کمزوری اور ضعف کی وجہ سے آواز دور تک نہ پہنچ پائی تو حضرت اقدسؒ کے کہنے پر حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی جانشینی کا مجمع عام میں آپؒ نے اعلان کیا، جس سے پورے ماحول میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

www.rahimia.org

حج کی سعادت

ستمبر 1983ء میں آپؒ حج پر تشریف لے گئے۔آپؒ کے چھوٹے بھائی حافظ ظہورالحسن مکہ میں ملازمت کرتے تھے۔انھوں نے آپؒ کی میزبانی کی، جس سے آپؒ کو خاصی سہولت رہی۔حج کے احوال بتاتے ہوئے فرماتے تھے کہ شدید گرمی کا موسم اور میں شوگر کا مریض۔خاصی دقت اٹھانی پڑی، لیکن اللہ نے کرم کیا اور تمام مناسکِ حج بہ حسن وخوبی پورے ہوگئے۔

سادگی وقناعت

آپؒ نے نہایت سادہ زندگی بسر کی۔جتنا کچھ دست یاب ہوتا، اسی پر گزارہ کرتے۔اپنا کھانا اکثر خود پکاتے۔بعض دفعہ ہفتوں دال ہی پک رہی ہوتی، البتہ اگر کوئی مہمان آتا تو اس کے لیے پُرتکلف کھانا تیار کرتے۔اگر کوئی مہمان کہتا کہ حضرت! اتنا تکلف کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ تو جواباً یہ شعر پڑھتے ؎

اے ذوق! تکلف ہے شرافت کی نشانی
دہقانی ہیں وہ لوگ ، جو تکلف نہیں کرتے

زندگی کے اکثر ماہ وسال عسرت میں گزرے۔طویل بیماری، بلکہ کئی بیماریاں؛ شوگر، السر، بلڈ پریشر جیسی مہلک بیماریوں کے باوجود کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہ آیا۔گویا ہر تکلیف لطیفے کے سانچے میں ڈھال دی اور ہر عسرت کو ظرافت کا خلعت پہنا دیا۔اس کو آپؒ کی فطری بلند ہمتی اور طبعی کمال سے ہی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

آپؒ گفتگو نہایت مؤثر فرماتے۔دورانِ گفتگو لطائف وظرائف بھی ہوتے اور شعر وشاعری کا تڑکا بھی۔بہت سے اساتذہ کے اشعار آپؒ کے نوکِ زبان تھے۔اشعار کا ذوقِ سماعت بھی بہت عمدہ تھا۔یبوست وعبوست نام کی کوئی شئے آپؒ کے ذہن وفکر میں راہ نہ پاسکی۔کالج کے طلبا اور پڑھے لکھے نوجوانوں کے ساتھ فکری نشستیں ہوتیں۔علمائے حق کے کارناموں کا تذکرہ ہوتا۔ان کے سیاسی فکر سے نوجوانوں کو متعارف کراتے۔بہت سے ہمارے جماعتی دوست آپؒ کی تربیت و برکت سے جماعت سے وابستہ ہوئے۔جن میں ہمارے محترم ڈاکٹر سعید اختر، ڈاکٹر طاہر مصطفیٰ، مرزا محمد رمضان، حافظ امجد علی، محمد اسعد، عبیداللہ عابد، تنویر احمد، عبدالرؤف اور حافظ محمود الحسن مرحوم کے نام نمایاں ہیں۔جمعیت طلبائے اسلام کے زمانے میں آپؒ صوبہ پنجاب کے سرپرست رہے۔اس دوران جمعیت سے وابستہ نوجوانوں کی فکری اور عملی تربیت کے لیے کردار ادا کرتے رہے۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ فرید ٹاؤن ساہیوال کا قیام

ساہیوال شہر اور اُس علاقے کی ضرورت کے پیشِ نظر اور اہلِ علاقہ کی تجویز و تقاضے پر 1980ء میں ''مسجد شہدا'' سے ملحق جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی۔جامعہ کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ انگریز سامراج کے زمانے سے اس کے گماشتوں نے دینی و دُنیوی تعلیم میں جو تفریق پیدا کر رکھی ہے، اس کو ختم کرکے جامعہ کو دین و دنیا کا سنگم بنایا جائے۔حفظ و ناظرہ کی کلاسوں کا اجرا بھی کیا گیا۔بہت سے بچوں نے جامعہ میں قرآن حکیم حفظ کیا۔بہت سے سکول و کالج کے طلبا نے عربی زبان اور فقہی مسائل سیکھے۔اس کے ساتھ ساتھ اس مرکز کے ذریعے مولانا اہلِ علاقہ کو مشائخ رائے پور سے وابستہ کرنا چاہتے تھے۔بہت دفعہ ایسا ہوا کہ حضرت

www.rahimia.org

اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ ساہیوال تشریف لائے اور جامعہ ملیہ میں قیام فرمایا۔ اس دوران بہت سے احباب نے حضرت اقدسؒ سے اصلاحی تعلق قائم کیا۔ حضرت اقدس رائے پوری ثالثؒ جب بھی عارف والا کے قریب اپنے رقبے پر تشریف لاتے تو حضرت مولاناؒ کے ہاں ساہیوال میں چند دن ضرور قیام فرماتے۔

لیکن آج بے در و دیوار جامعہ زبانِ حال سے ''اپنوں کی مہربانی'' پر شکوہ کناں ہے۔ جہاں قرآن کی تعلیم ہوتی تھی، آج وہاں ویرانے کا منظر ہے۔ کیا قیامت کے دن ہم سے سوال نہیں ہوگا کہ جھوٹی انا کی خاطر ہم اس درجے تک چلے جاتے ہیں کہ تعلیمی ادارے تک ویران کر دیتے ہیں۔

تربیتی سیمینار

نوجوانوں کی فکری تربیت کے لیے 23، 24، 25/ مارچ 1983ء کو مرکزی تربیتی سیمینار بھی جامعہ ملیہ اسلامیہ میں ہوا۔ اس سیمینار کی تیسری نشست سے حضرت مولانا منظوراحسنؒ نے خطاب کیا، جس میں آپؒ نے فرمایا کہ: ''ہمیں دشمن کی پہچان کرنی ہے۔ جس کے مظالم تمام انسانیت پر عیاں ہیں۔ اس سیمینار کی تفصیلی رپورٹ ''عزم'' سیریز نمبر 51 میں شائع ہو چکی ہے۔

دورۂ تفسیر کا آغاز

1983ء میں جماعتی نظم کے تحت دورۂ تفسیر کا آغاز بھی جامعہ ملیہ اسلامیہ سے ہوا۔ جس میں کافی دوستوں نے شرکت کی۔ قرآنی تفسیر کا زیادہ تر حصہ حضرت مولاناؒ نے ہی پڑھایا۔ دورۂ تفسیر کے اختتام پر حضرت مولانا حبیب اللہ ناظم جامعہ رشیدیہ ساہیوال بھی تشریف لائے اور مختصر سا خطاب فرمایا اور مشائخ رائے پور کی ملّی، سماجی اور علمی خدمات کو سراہا۔

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ سے تعلق

فکری و سیاسی ہم آہنگی کی بنا پر حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمدؒ سے محبت وعقیدت کا آپ کا تعلق آخر دم تک رہا۔ حضرت اقدسؒ جب بھی ساہیوال تشریف لاتے تو آپؒ کی طبیعت خوشی سے باغ باغ ہوجاتی۔ مہمانوں کی خوب خاطر مدارات کرتے۔ خوب مجالس جمتیں۔ خطے کی سیاست پر تبصرہ ہوتا۔ بین الاقوامی حالات زیرِ بحث آتے۔ کئی کئی دن حضرت اقدسؒ مولاناؒ کے ہاں قیام فرماتے۔ اسی طرح تنظیمی پروگرامز کے لیے آپؒ نے حضرت اقدسؒ کے ساتھ کئی اسفار کیے۔ خصوصاً سندھ کے اسفار میں آپؒ حضرت اقدسؒ کی ذہانت، عزم و ہمت اور عملیت پسندی کے بہت قدر دان تھے۔

جن دنوں خطے میں امریکی پالیسیوں کے خلاف تبدیلی آ رہی تھی، خصوصاً افغانستان اور ایران میں عوامی انقلابات آئے تو ہمارے حضرات خصوصاً شاہ سعید احمد رائے پوریؒ اور مولانا منظوراحسنؒ نے ان تبدیلیوں کی بعض پہلوؤں کے اعتبار سے تائید کی۔ جب کہ ہمارا مذہبی طبقہ امریکی پروپیگنڈے کا شکار ہو کر امریکا کے لیے استعمال ہوا۔ وہ حضرات جو کل تک سیاست کو شجرِ ممنوعہ سمجھتے تھے، وہ اس امریکی جہاد میں نہایت سرگرم تھے اور سادہ لوح نوجوانوں کو اس نام نہاد جہاد کا ایندھن بنا رہے تھے، جب کہ ہمارے یہ مشائخ اس نام نہاد ''جہاد'' میں ایندھن بننے سے نوجوانوں کو بچا رہے تھے۔ آج استعمال کرنے والے بھی اور استعمال ہونے والے بھی اپنی غلطیوں کا اعتراف کر رہے ہیں۔

آخری لمحات

انتہائی تکلیف دہ امراض میں آپؒ نے صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا، تاہم علاج پابندی سے جاری رہا۔ یہ اکابر رائے پور کی خصوصیت ہے کہ امراض کے دفعیہ کے لیے علاج وغیرہ میں کوتاہی نہیں ہوتی۔ آپؒ اکثر دعا کرتے کہ اللہ تعالیٰ ایمان پر خاتمہ فرمائے اور محتاجگی کی زندگی سے بچائے۔

راقم کے والد مرحوم کا 21/جنوری 2001ء کو انتقال ہوا تو میں سعودی عرب سے والد مرحوم کے جنازے میں شرکت کے لیے ساہیوال پہنچا۔ والد صاحبؒ کا جنازہ حضرت مولاناؒ نے پڑھایا۔ اگلے دن مولاناؒ کی ہمشیرہ، بھائی نواب احمد شاہ صاحب کی اہلیہ تعزیت کے لیے ہمارے گھر آئیں تو حضرت مولاناؒ بھی ساتھ آئے۔ شگفتہ مزاجی اسی طرح قائم تھی۔ تین دن بعد انتقال کے روز صبح اکٹھے چائے پی اور ناشتہ کیا۔ دن گیارہ بجے تک مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے۔

میں نے گھر جانے کی اجازت چاہی اور عصر کے وقت دوبارہ مجلس میں حاضر ہونے کا کہا تو کہنے لگے: جلدی آنا۔ عصر سے تھوڑی دیر پہلے حافظ امجد علی صاحب کا فون آیا کہ جلدی آئیں، مولانا کی حالت اچھی نہیں۔ اسی وقت دل کا دورہ پڑا۔ 25/ جنوری 2001ء بروز جمعرات بوقت عصر تقریباً تریسٹھ سال کی عمر میں خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ یقیناً دنیا میں آنا ہی جانے کی تمہید ہے۔ سرائے عالم کا ہر مسافر منزلِ عدم کا رہ نورد ہے، لیکن جانے والوں میں کچھ ایسے خوش بخت بھی ہوتے ہیں کہ مجروح دل اُن کے انفاس سے شفا پاتے ہیں۔

ایسے لوگ صدیوں بعد پیدا ہوتے ہیں اور صدیوں تک فراموش نہیں ہوتے ؎

جو بادہ کش تھے پرانے، وہ اُٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آبِ بقائے دوام لے ساقی

تجہیز و تکفین

طے یہ ہوا کہ نمازِ جمعہ کے بعد نمازِ جنازہ ادا کی جائے۔ حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ اور دیگر تنظیمی احباب جنازے میں شرکت کے لیے ساہیوال پہنچ گئے۔ جمعہ سے قبل مولاناؒ کی دینی خدمات پر راقم نے چند کلمات کہے۔ پھر حضرت اقدسؒ نے مولاناؒ کی دینی و ملّی و سماجی خدمات پر مفصل خطاب فرمایا اور جمعہ کی نماز پڑھائی۔ جمعہ کی نماز کے بعد مسجد شہدا کے گراؤنڈ میں جنازہ کی نماز ہوئی، جس میں ہر مکتبِ فکر کے لوگوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور فرید ٹاؤن کے مقامی قبرستان میں تدفین ہوئی۔ ؎

تیرے جانے سے چمن میں اس طرح چھائی خزاں
ہر کلی نوحہ گر، ہر پھول کے آنسو رواں

☆

www.rahimia.org

شخصیات

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ

(خلیفہ مجاز حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ)

ایک شفیق اور مربی استاذ

تحریر: مولانا عبدالرحیم طاہر

کائناتِ انسانی میں انسانی زندگی کا سفر ہزاروں سالوں سے جاری ہے۔ اس دوران بے شمار انسان اس دنیا میں آئے اور چلے گئے۔ لاتعداد افراد نے قدم زمین پر رکھا اور زمین نے انھیں اپنی آغوش میں لے لیا۔ یہ تسلسل اب بھی جاری ہے اور تاقیامت جاری رہے گا۔

حضرت ڈاکٹر صاحب شہیدؒ کی شخصیت!

ان آنے جانے والوں میں چند شخصیات ایسی بھی ہوتی ہیں، جو اگرچہ اپنے ''فانی جسم'' کے ساتھ تو موجود نہیں رہتیں، البتہ اپنے ''لافانی وجود'' کے ساتھ ہمیشہ دنیا میں زندہ رہتی ہیں۔ وقت کا کوئی لمحہ ان کی اس ابدی اور سرمدی زندگی کو شکست نہیں دے سکتا۔ اسی لیے قرآن حکیم میں ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (1)

(سُن رکھو! جو اللہ کے دوست ہوتے ہیں، ان کو کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔)

ہمارے استاذِ محترم فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید قدس سرہٗ بھی اسی پاکیزہ جماعت کے رُکنِ رکین تھے۔ آپؒ اپنے دور کے محقق اور متبحر علما میں سے تھے۔ آپؒ جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے جلیل القدر رئیس وشیخ الحدیث تھے۔ آپؒ متوازن اور شائستہ طبیعت کے مالک تھے۔ صاحبِ شریعت وطریقت اور علمِ حدیث پر گہری نظر رکھنے والے محقق تھے۔ متعدد شاخوں سمیت مرکزی ادارے کے بہترین منتظم تھے۔ عربی وفارسی اور اُردو پر یکساں عبور رکھنے والے، صاحبِ قلم ادیب، بیسیوں کتابوں کے مؤلف ومترجم، متحمل مزاج اور پُر وقار شخصیت کے حامل تھے۔ دُنیوی حرص و ہوس اور نام و نمود کی خواہش سے کوسوں دور، سادہ اور زاہدانہ اندازِ زیست رکھنے والے، اپنے اکابر واساتذہ کا غیر معمولی احترام کرنے والے، متواضع صفت انسان تھے۔ اہلِ حق کے مسلک پر بلا خوفِ لومِ لائم استقامت کے حامل اور دیگر کئی اوصافِ حمیدہ کے مالک تھے۔ آپؒ سے شرفِ تلمذ حاصل کرنے والوں کی تعداد بلاشبہ ہزاروں سے متجاوز ہے۔ اہلِ علم حلقوں میں آپؒ کا اسمِ گرامی مشہور و معروف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو بہ یک وقت بے شمار اَوصاف اور بہت سی صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں۔

ڈاکٹر صاحب شہیدؒ سے تعلق

راقم الحروف کا استاذِ محترم حضرت ڈاکٹر صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق اس وقت قائم ہوا، جب 1993ء میں جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاون کراچی میں تعلیم کی غرض سے داخلہ لیا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے انتہائی شفقت فرماتے ہوئے داخلے کے حصول میں بنیادی رہنمائی فرمائی۔ دراصل جامعہ میں داخلہ میرے لیے جہاں ایک اعزاز کی بات تھی، وہاں حقیقت میں اپنے پیر و مرشد حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری قدس سرہٗ کی منشا کے مطابق حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت و خدمت میں زیرِ تربیت رہنا کسی درجے کم نہ تھا۔ چناں چہ دورانِ تعلیم احقر کی کوشش ہوتی کہ فارغ اوقات میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا جائے۔ بالخصوص عصر کی نماز کے بعد جامعہ کے چمن میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس ہوتی تھی، اس میں شرکت کی پابندی کرتا۔ اس مجلس میں دورۂ حدیث اور دیگر کلاسز کے طلبا کثیر تعداد میں شریک ہوتے۔ اس میں اصلاحِ معاشرہ، اعمالِ صالحہ سے متعلق کتب کا مطالعہ ہوتا اور حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس پر رہنمائی فرماتے۔ اسی تعلق کی وجہ سے دورانِ تعلیم اور بعد میں بھی جب کبھی جامعہ جانا ہوتا تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ انتہائی شفقت اور محبت فرماتے۔ الغرض! حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اور شرفِ تلمذ سے جہاں ہمارے علم میں پختگی پیدا ہوئی، وہاں اس کے ساتھ ساتھ خانقاہِ رائے پور کی عظمت اور محبت میں اضافہ ہوتا گیا۔

مشائخِ رائے پور سے وابستگی

برِ عظیم پاک و ہند میں خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور شریف وہ عظیم خانقاہ ہے، جس سے ہزاروں، لاکھوں انسانوں نے فیض حاصل کیا۔ ہزاروں نے اصلاح کرواکے کمال حاصل کیا۔ راہِ ضلالت پر بھٹکتے ہوئے انسانوں پر راہِ ہدایت کی حقانیت ظاہر ہوئی اور یوں ایک عالَم خانقاہِ رائے پور کے فیضان سے مستفیض ہوا۔

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوری قدس سرہٗ سے بیعت و اجازت

حضرت ڈاکٹر صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے استاذِ محترم فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے بہت گہرا تعلق تھا۔ اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ''شروع میں میرا خیال تھا کہ حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوں گا۔ اس لیے کہ مجھے ان سے جو عقیدت، محبت اور تعلق تھا، وہ خدا ہی جانتا ہے۔ میں نے ان کو جیسا پایا، ان میں جو اوصاف دیکھے، ان میں جو شفقت، محبت اور رأفت پائی، اس نے دل کی دنیا ہی بدل کر رکھ دی تھی۔ وہ میرے محبوب شیخ بھی تھے، وہ میرے مربی اور معلم بھی تھے، وہ میرے سب کچھ تھے اور ایسے ہی بزرگ کو اپنا مقتدیٰ اور پیر بنانا چاہیے''۔ (2)

جب کہ حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ ڈاکٹر صاحبؒ کو حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوری قدس سرہٗ سے بیعت ہونے کا نہ صرف مشورہ دیتے ہیں، بلکہ اکابر کے معمول کی طرح حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کو حضرت رائے پوریؒ کی مجلس میں خود لے کر جاتے ہیں۔ چناں چہ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوری قدس سرہٗ سے بیعت و تعلق کا واقعہ بینات میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں کہ:

www.rahimia.org

''اب سے تقریباً ستائیس سال قبل جس زمانے میں بندہ جب جامعہ علوم اسلامیہ میں درجہ تخصّص فی الحدیث کا طالبِ علم تھا، ایک روز راستے میں حضرت مولانا بنوری علیہ الرحمہ کو تشریف لاتے دیکھا۔ آمنا سامنا ہوا۔ سلام کے بعد مجھ سے فرمایا: کہاں جارہے ہیں؟ میں نے عرض کیا: کہیں نہیں۔ فرمایا: ایک بزرگ تشریف لائے ہوئے ہیں، چلیں! ان سے ملاؤں۔

محبوب حضرت شیخ کا فرمان، معیت و رفاقت اور وہ بھی ایک بزرگ کی زیارت کے لیے، اس سے بڑھ کر بندہ کے لیے اَور کیا نعمت ہوسکتی تھی۔ سعادت اور نعمتِ غیر مترقبہ سمجھتے ہوئے حامی بھرلی اور ساتھ ہولیا۔ سندھی مسلم ہاؤسنگ سکیم میں بابو عبدالعزیز مرحوم کے بنگلہ B-80 پہنچے۔ وہاں کچھ اہل اللہ اور نیک بندے ذکر و شغل میں مصروف تھے۔ حضرت مولانا علیہ الرحمہ کو دیکھتے ہی سب استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے۔ فوراً اندر لے گئے۔ دیکھا ایک نورانی چہرے والے فرشتہ صفت بزرگ تشریف فرما ہیں۔ حضرت علیہ الرحمہ کو دیکھتے ہی کھڑے ہوئے۔ بڑی محبت سے معانقہ کیا۔ مزاج پرسی کے بعد حضرت مولانا علیہ الرحمہ نے بندہ کا تعارف کرایا۔ دعا کرائی۔ اس مجلس میں زیادہ وقت خاموشی اور سکوت میں گزرا۔ وقفے وقفے سے چند علمی باتیں بھی ہوتی رہیں۔ اس عرصے میں جو سکون، طمانیت اور قلب کو ناقابلِ بیان راحت ملی، وہ بیان سے باہر ہے۔ اس کا اندازہ وہ کرسکتا ہے، جو اس میدان میں قدم رکھ چکا ہو، یا جو اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھا ہو۔ مجلس سے رخصت ہونے پر گاڑی میں راستے میں حضرت مولانا بنوری علیہ الرحمہ نے مجھ سے فرمایا: ''میں نے اپنی زندگی میں اتنا قوی التاثیر، اتنا تیز نظر بزرگ نہیں دیکھا۔ آپ ان سے بیعت ہو جائیں''۔ میں نے برجستہ عرض کیا: میرا کسی اَور سے ارادہ ہے۔ نہ حضرت مولانا علیہ الرحمہ نے یہ پوچھا کہ کس سے بیعت کا ارادہ ہے، نہ میں نے اس کا اظہار کیا۔ اس وقت بندے کا ارادہ یہ تھا کہ اپنے مربی و شیخ مولانا بنوری علیہ الرحمہ سے بیعت ہوں گا، لیکن کبھی ان سے اظہار نہیں کیا تھا۔ چند روز بعد پھر ایک روز حضرت مولانا بنوری علیہ الرحمہ سے سرِراہ ملاقات ہوئی۔ فرمایا: ''ان بزرگ کے پاس جا رہا ہوں، چلیں گے؟'' میں نے کہا: ضرور! ہم خرما وہم ثواب۔ بزرگ سے ملاقات بھی اور اپنے محبوب شیخ رحمہ اللہ کی معیت بھی۔ سونے پر سہاگہ۔ اس سے بڑھ کر اَور کیا نعمت ہوگی۔ چناں چہ وہاں حاضری ہوئی۔ واپسی پر حضرت مولانا رحمہ اللہ نے پھر فرمایا کہ: ''آپ ان سے بیعت ہوجائیں''۔ میں نے عرض کیا: ''میرا کسی اَور سے ارادہ ہے''۔

یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کی میں نے جس روز حضرت شاہ (عبدالعزیز) صاحب رحمہ اللہ کو پہلے دن دیکھا تھا، اسی دن ان کا غلام بے دام ہوگیا تھا۔ اور روزانہ عصر کے بعد ان کی خدمت میں حاضر ہوجاتا تھا اور ان کی مجلس میں حاضر رہتا۔ جب وہ آرام کے لیے لیٹتے، ان کا بدن دباتا، سر میں تیل کی مالش کرتا اور رات کو ساڑھے گیارہ بارہ بجے وہاں سے ناظم آباد اپنے غریب خانے چلا جاتا تھا''۔ (3)

گویا حضرت بنوری رحمہ اللہ نے اپنی اس قلبی محبت کی وجہ سے متعلقین و احباب کو حضرت اقدس شاہ عبدالعزیز رائے پوری قدس سرہٗ سے بیعت کرایا۔ بالخصوص اپنے محبوب، قابل ترین، بااعتماد شاگرد اور داماد حضرت ڈاکٹر صاحب شہید رحمہ اللہ کو تربیتِ باطنی کے لیے حضرت اقدس رائے پوری ثالث قدس سرہٗ کے سپرد فرمایا۔

اس کے بعد حضرت ڈاکٹر صاحب شہید رحمہ اللہ مزید تحریر فرماتے ہیں کہ:

''حضرت مولانا بنوری رحمہ اللہ کو جب میرے بیعت ہونے کا علم ہوا تو بڑے خوش ہوئے۔ اس لیے کہ وہ پہلے ہی اس کے خواہاں تھے۔ میں نے اپنی زندگی میں حضرت مولانا بنوری رحمہ اللہ کو جتنا حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوری رحمہ اللہ سے متأثر دیکھا، اتنا کسی سے متأثر نہیں دیکھا۔ جس قدر اُن کی مدح سرائی اور تکریم کرتے تھے، اس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ صاحبِ بصیرت تھے اور اصحابِ بصیرت کی قدر وہ ہی کرنا جانتے تھے''۔ (4)

یہاں یہ بات بھی عرض کرتا چلوں کہ حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوری قدس سرہٗ کے ہاں حضرت بنوریؒ کی بھی بڑی قدر اور محبت تھی، جس کا تذکرہ بھی اسی بینات محرم ۱۴۱۳ھ والے شمارے میں بڑے پُر کیف انداز سے تحریر فرمایا ہے، جو کہ قابلِ مطالعہ ہے۔ پھر حضرت ڈاکٹر صاحب شہید رحمہ اللہ کا اپنے شیخ اور پیر و مرشد اور خانقاہِ رائے پور سے سچا تعلق قائم رکھنے کے نتیجے میں ہی خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے۔

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری قدس سرہٗ سے تعلق

حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوری قدس سرہٗ کے وصال (2/ جون 1992ء) کے بعد حضرت ڈاکٹر صاحب شہید رحمہ اللہ نے خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے مسند نشین رابع حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری قدس سرہٗ السعید سے اسی طرح تعلق قائم رکھا۔ چناں چہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ مبارکہ میں جب بھی کبھی حضرت رائے پوری رابع رحمۃ اللہ علیہ کراچی تشریف لاتے تو جامعہ میں قیام ہوتا اور حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ میزبان ہوتے۔

ہمارے دورۂ حدیث شریف والے سال بھی حضرت شاہ سعید احمد رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کراچی تشریف لائے تو آپؒ کا قیام جامعہ کے مہمان خانے میں تھا۔ تقریباً 15 روز قیام رہا۔ اس دوران کھانا وغیرہ کا تمام انتظام و اہتمام ڈاکٹر صاحب شہید رحمہ اللہ کے گھر سے ہوتا اور اکثر ہم بھی کھانے میں شریک ہوتے۔ ان دو شیخین میں محبت کا منظر بھی دیکھا کہ جب کھانے کے دوران حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ روٹی کے نوالے توڑ توڑ کر اپنے شیخ کے صاحب زادے اور خانقاہ کے مسند نشین رابع کو خود اپنے ہاتھ سے لقمے بنا بنا کر کھلاتے۔ پھر صرف یہی نہیں، بلکہ حضرت شاہ سعید رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے اسلاف اور بزرگوں کا ولی اللّٰہی مشن پورے پاکستان بھر میں پھیلا رہے تھے۔ اس کی اشاعت و ابلاغ کی تائید میں کراچی کے اکثر بڑے بڑے مدارس، مساجد اور سکول و کالجز میں پروگرام کروائے اور بہ نفسِ نفیس حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ تشریف لے جاتے اور پوری پوری سرپرستی فرماتے۔

اسی طرح کیاڑی کے ایک پروگرام میں بندہ بھی دونوں حضرات کے ہمراہ تھا۔ نمازِ ظہر کا وقت ہوا تو حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے امامت کے لیے فرمایا کہ: ''ہم تو مسافر ہیں، آپ نماز پڑھائیں''۔ ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''میں تو پڑھاتا نہیں ہوں، آپ ہی پڑھائیں۔ ہم بقیہ نماز پوری کر لیں گے''۔ جانبین سے امامت کے لیے اصرار ہوتا رہا۔ آخر میں حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے بندۂ ناچیز کا ہاتھ پکڑ کر نماز کے لیے آگے کر دیا۔ اس طرح شیخین کی امامت کا شرف حاصل ہوا۔ حقیقت میں یہ ان دو حضرات کا آپس میں تعلق، محبت اور احترام کا جو رشتہ تھا، اس کا اظہار اس طرح دیکھنے کو ملا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا درسی انداز وخصوصیات

راقم الحروف نے دورۂ حدیث میں پڑھائی جانے والی اہم کتاب بخاری شریف جلد ثانی حضرت ڈاکٹر صاحب شہیدؒ سے

www.rahimia.org

پڑھی ہے۔ بندۂ ناچیز اس قابل تو نہیں ہے کہ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے درس کی تمام خصوصیات تحریر میں لا سکے، البتہ جس حد تک فہمِ ناقص کی رسائی ہوئی، یقیناً اس کو تحریر میں لانا فائدے سے خالی نہیں ہوگا:

1۔ بہت ہی عام فہم اندازِ تدریس، جس سے طلبا درس کو بہ آسانی سمجھ لیتے۔
2۔ اسباق کی رفتار میں اعتدال کا خاص خیال رکھتے کہ کتاب اوّل سے آخر تک یکساں انداز و رفتار سے زیرِ درس رہتی تھی۔
3۔ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے ایسا رعب عطا فرمایا تھا کہ آپ کے سبق میں تمام طلبا اوّل سے آخر تک مستعد، حاضر دماغ اور ہمہ تن گوش رہتے۔
4۔ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی عادت تھی کہ حاضری سبق کے شروع میں لے لیتے اور جو طلبا بوقتِ حاضری موجود نہ ہوں، انھیں تنبیہ فرماتے۔
5۔ روزانہ کسی مناسبت سے اَخلاق و اعمال، سیرت و کردار کی درستگی اور اصلاح سے متعلق نصیحتیں فرماتے اور طلبا کو ہمہ تن علمی و عملی پختگی بڑھانے پر زور دیتے تھے۔
6۔ دورانِ سبق ہر طالبِ علم پر نظر رہتی تھی۔ کسی کو نامناسب حالت میں دیکھتے تو اسے تنبیہ کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرتؒ کے درس میں تمام طلبا ہمہ وقت سبق کی طرف متوجہ رہتے تھے۔
7۔ ہر روز بلاتعین کسی طالبِ علم سے عبارت پڑھواتے تھے۔ نظم ایسا تھا کہ تمام طلبا کی باری آجاتی تھی، لیکن کسی کو یہ معلوم نہیں ہوسکتا تھا کہ اس کی باری کب ہے۔
8۔ عبارت پڑھنے والے طلبا کا خوب خوب مواخذہ کرتے تھے۔ صَرفی نحوی قواعد کا اجرا، اندازِ قرأتِ حدیث، لب و لہجہ اور قرأتِ قرآن حکیم کے آداب وغیرہ وغیرہ ساری باتوں کا لحاظ کرتے تھے۔ غلطیوں پر تنبیہ اور اصلاح فرماتے تھے۔
9۔ مشکل عبارتوں کا نہایت سلیس، معنی خیز بامحاورہ ترجمہ کرتے تھے۔
10۔ کوئی طالبِ علم سوال کرتا تو اس کا سوال پوری توجہ سے نہ صرف سنتے تھے، بلکہ اس کی حوصلہ افزائی بھی کرتے اور تسلی بخش جواب سے مطمئن کرتے۔

دورۂ تفسیر قرآنِ حکیم کی اختتامی تقریبات اور سنگِ بنیاد

جامعہ تعلیم القرآن ریلوے مسجد ہارون آباد میں حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری قدس سرہٗ کی سرپرستی اور رہنمائی میں کالجز، یونیورسٹیز اور مدارس کے طلبا کے لیے ولی اللّٰہی علوم و افکار پر مبنی دورۂ تفسیر قرآن حکیم کا انعقاد ہوتا رہا، بلکہ اب بھی جاری ہے۔ اس کی اختتامی تقریبات میں دو مرتبہ حضرت ڈاکٹر صاحب شہیدؒ تشریف لائے۔ پہلی مرتبہ 1995ء میں حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کو احقر ملتان سے اپنی گاڑی کے ذریعے ہارون آباد لے کر آیا۔ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے دورۂ تفسیر کی اختتامی تقریب کے شرکا سے خطاب فرمایا اور نمازِ جمعہ سے قبل عمومی بیان بھی فرمایا۔ اس موقع پر ہمارے قریبی علاقے کے ایک مدرسے کے مہتمم صاحب چند اَحباب کے ہمراہ ڈاکٹر صاحبؒ سے ملاقات کے لیے تشریف لائے۔ چوں کہ ڈاکٹر صاحبؒ وفاق المدارس پاکستان کے ناظمِ اعلیٰ تھے، اس لیے انھوں نے اپنے مدرسے میں آپؒ کو لے کر جانے کی دعوت دی اور اس پر اصرار کیا۔ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے جانے سے معذرت کی اور اپنی مصروفیت بھی ظاہر کی۔ پھر فرمایا کہ: ''میں حضرت رائے پوری صاحب کے پاس آیا ہوں،

www.rahimia.org

اس لیے نہیں جاسکتا''۔ مگر اہلِ مدرسہ اصرار کرتے رہے۔ آخر میں ڈاکٹر صاحبؒ نے پوچھا کہ: ''کیا آپ کے مدرسے میں اس وقت تعلیم ہورہی ہے یا چھٹیاں ہیں؟'' اہلِ مدرسہ نے بتایا کہ شعبان کے امتحانات کے بعد سالانہ چھٹیاں ہیں تو اس پر ڈاکٹر صاحبؒ نے فرمایا کہ: ''ہم تو جب کسی مدرسے میں جاتے ہیں تو نظامِ تعلیم چیک کرتے ہیں۔ مدرسے کی در و دیوار دیکھنا ہمارا مقصد نہیں''۔ پھر آخر میں فرمایا کہ: ''حضرت اقدس شاہ سعید احمد رائے پوری صاحب کے پاس آیا ہوں، ان سے اجازت لو''۔ اس طرح ڈاکٹر صاحبؒ اس مدرسے میں تشریف نہیں لے گئے اور جتنی دیر ہارون آباد قیام رہا، حضرت اقدس شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے ساتھ ہی رہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کا دوسرا سفرِ ہارون آباد

27/ دسمبر 1996ء میں ڈاکٹر صاحب شہیدؒ دورۂ تفسیر قرآن حکیم کی اختتامی تقریب میں تشریف لائے تو نمازِ جمعہ کے بعد جامعہ ہٰذا کے زیرِ انتظام ''جامع حسن مسجد'' واقع حسن گارڈن ہارون آباد کا سنگِ بنیاد حضرت شاہ سعید احمد رائے پوریؒ اور حضرت ڈاکٹر صاحب شہیدؒ نے اپنے دست مبارک سے رکھا اور دعا فرمائی۔

بتانا یہ مقصود ہے کہ بزرگوں کے درمیان محبت و اِحترام کا جو رشتہ ان حضرات کے ہاں دیکھنے کو ملا، وہ اَور جگہ کم ہی ہوگا۔ حقیقت میں خانقاہِ عالیہ رحیمیہ کے یہ دونوں حضرات ایسے دوانمول پھول تھے، جو سدا زمانے کو اپنی خوشبو سے معطر کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ اللہ ان حضرات کی قبور کو منور فرمائے۔ (آمین!)

مثالی نظم و نسق کی حامل شخصیت

انتظامی معاملات میں آپؒ کی مدبرانہ اور دُوررَس نگاہ کے سب ہی معترف تھے۔ اصول پسندی، نظم وضبط کے قیام اور قواعد و ضوابط کی پاسداری میں آپ اپنی مثال آپ ہی تھے۔ وقت کی قدر و قیمت نے آپؒ کی شخصیت کو چار چاند لگا دیے تھے۔ آپؒ نے اپنے دور میں جامعہ علومِ اسلامیہ بنوری ٹاؤن اور اس کی شاخوں کا انتظام و انصرام جس انداز سے چلایا، اس کے اپنے اور مخالف سب ہی معترف ہیں۔ آپ نے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے بہترین ناظمِ اعلیٰ کے طور پر خدمات سرانجام دیں۔ چناں چہ ہم نے دیکھا کہ اکثر سفر کے دوران بھی وقت کو کام میں لاتے اور تصنیفی و تالیفی کام جاری رکھتے تھے۔ گویا آپؒ انتہائی مختصر وقت میں تنِ تنہا ایک پوری جماعت کا کام کرکے اس دارِ فانی سے شہادت کا رُتبہ حاصل کرتے ہوئے دارِ بقا کی جانب روانہ ہوگئے اور اپنے بعد والوں کے لیے نمونہ بن گئے۔

مہمان نوازی و اپنائیت

جامعہ میں تعلیم کے دوران پنجاب وغیرہ سے اگر کوئی مہمان ہم سے ملنے آتا اور ڈاکٹر صاحبؒ سے جب ہم ملواتے تو آپؒ مہمان نوازی ضرور فرماتے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ آپؒ مسجد سے نمازِ مغرب سے فراغت کے بعد معمولات کی ادائیگی کے لیے اپنے کمرے میں تشریف لا رہے تھے۔ ہم نے پنجاب سے آئے ہوئے ایک دوست کو ڈاکٹر صاحبؒ سے ملوایا تو چلتے وقت احقر کو الگ کرکے کچھ پیسے دیے اور فرمایا: ''میری مصروفیت ہے۔ میری طرف سے ان پیسوں سے مہمان نوازی کردو''۔ احقر نے بتایا کہ: ''ہم نے کھانا وغیرہ کھلا دیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''نہیں! یہ میری طرف سے بھی مہمانی کریں''۔

اسی طرح جب احقر ہارون آباد سے ملتان وفاق المدارس کے دفتر گاڑی پر چھوڑنے جارہا تھا تو راستے میں ڈرائی فروٹ

کے لیے گاڑی رکوائی تو ڈاکٹر صاحبؒ نے منع فرما دیا۔ احقر نے اصرار کیا تو فرمایا: ''اس شرط سے ڈرائی فروٹ لائیں کہ اس کے لیے پیسے مجھ سے لے کر جاؤ''۔ زبردستی حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے احقر کو پیسے تھما دیے۔ یہ شفقت، پیار و محبت کہاں سے تلاش کریں؟! اسی سفر کے دوران ملتان کے قریب گاڑی پنکچر ہوگئی۔ باوجودیکہ دسمبر کے مہینے کی سخت سردی کی رات کے دس بجے ہوئے تھے، پنکچر جب تک نہیں لگا، اس وقت حضرت ڈاکٹر صاحب باہر کھڑے ہو کر نگرانی فرماتے رہے۔ احقر نے عرض کیا کہ ہم موجود ہیں، پنکچر وغیرہ لگ جائے گا، آپ گاڑی میں تشریف رکھیں، مگر حضرت نے فرمایا: ''یہ کیسے ہوسکتا ہے!''۔ جب رات کے گیارہ بجے ہم وفاق کے دفتر پہنچے تو ایک صاحب دفتر میں ڈاکٹر صاحبؒ کے انتظار میں تھے۔ دفتر پہنچتے ہی ڈاکٹر صاحب اپنے کمرے میں تشریف لے گئے اور ہمارے لیے الگ کمرے میں رہائش کا انتظام تھا۔ صاحبِ دفتر اسی ترتیب سے الگ الگ کھانے کا دسترخوان لگانے لگے تو ڈاکٹر صاحب ناراض ہوئے اور فرمایا: ''کس نے کہا ہے الگ دسترخوان لگانے کا؟ میں مہمانوں کے ساتھ ہی کھانا کھاؤں گا''۔ اور اپنے کمرے والا دسترخوان اُٹھوا کر ہمارے کمرے میں تشریف لے آئے اور ہمارے ساتھ ہی کھانا تناول فرمایا۔ کیا کمال شفقت اور اپنائیت ہے کہ ہر طرح سے ہمارا خیال رکھا اور ایک مربی اور باپ جیسی محبت سے نوازا۔

یقیناً اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین کا یہی طرزِ عمل تربیت کا ذریعہ ہوتا ہے۔ پھر اگلے روز ہم حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے اجازت لے کر رُخصت ہوئے۔

سانحۂ اِرتحال

یکم رجب ۱۴۱۸ھ / 2 نومبر 1997ء کو نمازِ عصر کے وقت حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی شہادت کی اطلاع ملی تو احقر اس وقت حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے ہمراہ جامعہ خیرالمدارس ملتان میں تھا۔ اس خبر نے حاضرینِ مجلس اور حضرت رائے پوریؒ پر سکتہ جیسی کیفیت تاری کر دی۔ جس سے دل و دماغ ہل گئے۔ سینے میں آہ و فغاں کی آوازیں روکے نہ رُکیں۔ آنکھیں پرنم رہیں اور لب تھرتھر کانپتے رہے۔ احقر تو ملتان سے واپسی ہارون آباد تک کے سفر میں اپنے شکستہ دل کو تھامے ہوئے دلِ مضطرب کو قضا بالرضا کی تلقین کرتا رہا۔ اس دوران آنکھوں کے سامنے ماضی کی یادیں تازہ ہوتی رہیں کہ ڈاکٹر صاحب سے دارالحدیث کے اسباق، جامعہ کے چمن کی مجلسیں، ہارون آباد کے اسفار وغیرہ وغیرہ، بہر حال حضرت ڈاکٹر صاحب شہیدؒ کی رحلت سے ایک بہت بڑا خلا پیدا ہوگیا۔ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ مقامِ شہادت پر فائز ہو کر جنت الفردوس کے مکین بن گئے (اِن شاء اللہ)۔

ہماری دعا ہے کہ ان کی شبانہ روز محنتوں سے کام کرنے والی عظیم دینی دانش گاہ مادرِ علمی دن رات ترقی کرے اور اس کو ایسے اہل اور باصلاحیت افراد کی رہنمائی اور سرپرستی حاصل ہو، جو حضرت بنوری رحمہ اللہ اور حضرت ڈاکٹر صاحب شہید رحمہ اللہ کے علمی مشن کو نہ صرف فروغ دیں، بلکہ اس کو فرقہ وارانہ آلودگیوں سے محفوظ رکھ کر دورِ حاضر کے چیلنجز سے عہدہ برآ ہونے کے قابل بنائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان مشائخِ رائے پور کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین!)

حوالہ جات

1۔ 10- یونس: 162۔ 2۔ ماہنامہ ''بینات'' کراچی، بصائر و عبر، ج: 55، شمارہ: 1، بابت ماہ محرم ۱۴۱۳ھ / جولائی 1992ء۔
3۔ ایضاً۔ 4۔ ایضاً۔

☆

اہلِ علم کا کام علمی وحدت کی بنیاد پر سوسائٹی کے مسائل حل کرنا ہے

”اعلیٰ علم وہی کہلاتا ہے، جو سوسائٹی کے مسائل حل کرنے کی اہلیت اور صلاحیت پیدا کرے۔ انسانی مشکلات کو دور کرنے کے طریقے سُجھائے۔ ان میں وہ سلیقہ پیدا کرے، جس کے ذریعے سے وہ اپنی سوسائٹی کی مجموعی فلاح و بہبود کے لیے کردار ادا کر سکے۔ اسی لیے علم بنیادی طور پر ایک ناقابلِ تقسیم اِکائی ہے۔ علم مکمل طور پر کسی تقسیم کے مرحلے سے نہیں گزرتا۔ علم علم ہوتا ہے، خواہ کسی شعبے کا کیوں نہ ہو۔ ہم علم کو شعبہ جاتی نقطہ نظر سے محض اس لیے تقسیم کرتے ہیں کہ افراد اپنی اپنی عقل کے مطابق اس شعبے میں مہارت اور صلاحیت پیدا کریں۔ ورنہ تو دنیا کا ہر علم کسی نہ کسی طریقے سے تمام شعبوں سے ضرور متعلق ہوتا ہے۔ کسی شعبے کو ہم سِرے سے دوسرے علم سے الگ نہیں کر سکتے۔ ریاضی کا علم صرف ریاضی ہی میں استعمال نہیں ہوتا، بلکہ جو فزکس، کیمسٹری، باقی تمام شعبے ہیں؛ سیاسیات، معاشیات، سماجیات، بلکہ دینی علوم کے فہم سے متعلق دیگر شعبوں میں بھی استعمال میں آتا ہے۔ تو ہر علم انسانی سوسائٹی کے فروغ کے لیے مجموعی طور پر ایک کردار ادا کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علم ناقابلِ تقسیم اِکائی ہے۔

کوئی قوم تبھی ترقی کرتی ہے کہ وہ اس علمی وحدت کو، اس علمی یکجائی اور یکسوئی کو پیشِ نظر رکھ کر اُس علم کے ذیلی تمام شعبوں کا ایک ایسا مربوط نظام بنائے، جس سے سوسائٹی اپنے تمام شعبوں میں بہ حیثیتِ مجموعی ترقی کرے۔ علم کی تقسیم پڑھنے پڑھانے یا اِفہام و تفہیم کے لیے تو درست ہو سکتی ہے، لیکن اس تقسیم کی بنیاد پر فرقے، گروہ، یا طبقے پیدا کرنا، یا ان کی وجہ سے ان اہلِ علم کے درمیان لڑائی، جھگڑے اور انتشار پیدا کرنا‘ سوسائٹی کی مجموعی فلاح و بہبود کے بجائے سوسائٹی کو تقسیم کر کے رکھ دیتا ہے۔ یہ کبھی بھی علمی رویہ قرار نہیں پاتا۔ یہ رویہ جہالت پر مبنی ہوتا ہے“۔

(خطاب حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری، ص: 77)

www.rahimia.org

QUARTERLY

Shauor o Aaghi

July-september, 2020, Vol.12, Issue. 3, Regd.370-S

www.rahimia.org

رحیمیہ مطبوعات

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور

00-92-42-36307714, 36369089 www.rahimia.org

info@rahimia.org /rahimiainstitute